وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 05	جمادی الثانی 1434ھ	مئی 2013ء

اہم تحریر صفحہ 10

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ الدھر	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں سب سے اہم ریاستی ستون، ایک نظریاتی نظامِ تعلیم ہے	انجینئر مختار فاروقی	10
5	انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور اُمیدوار کی شرعی حیثیت	مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ	31
6	اسلام اور سائنس	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	36
7	آج کا تصورِ کل کی حقیقت	عبدالرزاق	45
8	سقوطِ خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں	انجینئر مختار فاروقی	53
9	مدیر کے نام		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ الدھر آیات 08-01﴾

سورۃ الدھر میں اوّلاً انسان کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب وہ کچھ نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوط نطفے سے اس کی تخلیق کی ابتداء کی اور پھر اس کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں اور نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کی قابلیت دے کر اس کو اختیار عطا کر دیا کہ چاہے تو نیکی کی راہ پر چلے، چاہے بدی کی راہ پر۔ دنیا میں رکھ کر انسان کا یہی امتحان لینا مقصود ہے۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں ان لوگوں کو انعام دیا جائے جنھوں نے ان اعلیٰ صلاحیتوں کا حق پہچان کر شکر کی راہ اختیار کی اور ان لوگوں کو سزا دی جائے جنھوں نے ان کی ناقدری کر کے کفر کی راہ اختیار کی۔ پھر ایک آیت میں کافروں کے بُرے انجام کا اجمالاً ذکر ہے اور 18 آیات میں ان عظیم انعامات کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائے گا۔

پھر دوسرے رکوع میں پہلے نبی اکرم ﷺ کو منکرین میں سے کسی کے دباؤ میں نہ آنے اور صبر واستقامت کے ساتھ اپنا فریضہ رسالت ادا کرنے اور نماز و تسبیح کی تائید و تلقین ہے۔ پھر منکرین کو جو دنیا پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور آخرت کو نظر انداز کر رہے ہیں، ان کے غلط رویے پر تہدید ہے کہ ان کو اور ان کے چوڑے سینے اور مضبوط جوڑوں کو ہم نے ہی بنایا ہے اور ہم جس وقت چاہیں ان کو بدل بھی سکتے ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا کہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اسے قبول کر کے اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور جسے ظالم پاتا ہے اس کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا O

کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ

ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تا کہ اسے آزمائیں

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا O

تو ہم نے اسے بنایا سننے والا دیکھنے والا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا O

(اور) اسے راستہ بھی دکھایا، (اب وہ) خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا O

ہم نے تیار کر رکھی ہیں کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا O

جو نیکوکار ہیں وہ ایسے جام نوش جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا O

یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے

(اور) اس میں سے (چھوٹی چھوٹی) نہریں نکال لیں گے

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا O

یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں

اور اس دن کا خوف رکھتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہوگی

صدق اللّٰه العظيم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

آخِرُ مَا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى، إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

گزشتہ انبیاء کی باتوں میں سے آخری بات جس کا تمام لوگوں کو احساس ہے، وہ یہ ہے کہ ''جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کر'' (عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ)

آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ

''میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جیسے ایک غلام بیٹھتا ہے، کیونکہ میں تو بس ایک غلام ہوں'' (عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

آيَةُ الإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ

''انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے'' (عن انس رضی اللہ عنہ)

الجَامعُ الصَّغِيُر فی احاديث البشيروالنذير، للامام جلال الدين السيوطی رحمه الله

انسانیت کا شاندار مستقبل
پاکستان کی بقا اور دوقومی نظریہ کے فروغ
میں مضمر ہے

انجینئر مختار فاروقی

؎ یہ آرزو بھی بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

نصب العین تک رسائی یا ہدف کا حصول یا وصالِ یار فقط آرزوؤں اور دعاؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے۔ یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے اور اس میں کسی ہدف کو پالینا بہت سی مخالف و معاند (دشمن) قوتوں سے لڑ کر ہی ممکن ہے اور بسا اوقات اس راہ میں اگر انسان مخلص ہے اور وفا شعار ہے تو گویا 'جان' بھی چلی جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک ہمہ گیر حقیقت ہے کہ کسی بڑے ہدف، مقصد یا نصب العین تک رسائی کا پہلا ناگزیر مرحلہ اس مقصد کے لئے اپنے دل میں ایک 'آرزو' کا جنم لینا ہے۔ اگر کسی 'مقصد' کی خاطر خواہش اور آرزو ہی پیدا نہ ہو تو ـــــ اگلے مراحل کے لئے قدم اُٹھ ہی نہیں سکتے۔ بقول علامہ اقبال

؎ آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو اگر پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

وطن عزیز ملک خداداد پاکستان کے حالات کی بہتری کی آرزو رکھنے والے کروڑوں دل آج بھی انگاروں پر لوٹ پوٹ ہو کر زندگی گزار رہے ہیں مگر اس آرزو کو 'آرزوئے وصال' بنانے کے لئے جن مشکل اور کٹھن مراحل کا سامنا کرنا ضروری ہے ان مراحل کا نہ شعور ہے اور نہ ہی لگن۔

ایک تجریدی خواہش اور آرزو کو پاؤں پاؤں چل کر نصب العین کے حصول تک کے مراحل سے عزت و آبرو اور سر کی سلامتی کے ساتھ گزر جانا ـــــ بہت عظیم ہی نہیں بڑے حوصلے اور نصیب کی بات ہے۔

وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ O

''اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں'' (41-35)

ہم مسلمانانِ پاکستان گزشتہ سات عشروں سے ایک ارفع و اعلیٰ 'آرزو' رکھنے اور اس کو پا لینے کے 'جرم' کی وجہ سے ایک مذہبی قسم کی 'رومانیت' یا ROMANTICISM کا شکار ہیں تو دوسری طرف اس نصب العین کے حصول کے لئے کہ ہمارے ملک میں اسلام کا غلبہ ہو جائے (جس مقصد کے لئے ملک بنا تھا اور بے شمار قربانیاں دی گئیں تھیں) تاکہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اپنے اس ملک میں اپنے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں اور ہمت کر کے اس ملک کو دنیا کے دیگر ممالک کے لئے بھی نمونہ بنا کر عصر حاضر میں ایک جدید ـــ اسلامی ـــ فلاحی ـــ جمہوری ریاست کا 'ماڈل' دکھا سکیں۔ کچھ نہ کرنے یا کچھ نہ کر سکنے کی وجہ سے مکافاتِ عمل کا شکار ہیں۔ مقصد کی بلندی اور عمل کی پستی کی کسی نے مثال دیکھنی ہو تو وہ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ میں مسلمانانِ پاکستان ہی ہیں۔ مولانا حسرت موہانی نے کہا تھا:

غم آرزو کا حسرتؔ سبب اور کیا بتاویں
میرے شوق کی بلندی میری ہمتوں کی پستی

مسلمانانِ پاکستان پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ حالات کا تجزیہ اور 'نشانِ منزل' کی رہنمائی میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان ـــــ قرب قیامت میں عالمی سطح پر اسلام کے غلبہ کی طرف پہلا قدم تھا۔ دشمنوں نے بجا طور پر اسے پین اسلامزم (PAN-ISLAMISM) اور مسلمانوں کے عالمی اتحاد و یکجہتی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو ہر ممکن طریقہ سے ستانے اور ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔

- تاہم یہ ملک 40 سال ایک قرآنی اُصول مکافاتِ عمل کی سزا کے طور پر زوال پذیر رہا

اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہا۔

● الحمدللہ ـــــ گزشتہ صدی کی اَسّی (80) کی دہائی کے آخر سے اب حالات بہتری کی طرف جا رہے ہیں اور اللہ نے چاہا تو دوسرے چالیس سال کے اندر اندر یعنی پاکستان آئندہ دو تین الیکشن کے بعد (2025ء) تک سنبھل کر اپنے مقصد وجود یعنی 'عصر حاضر میں خلافت اسلامیہ کا نمونہ' بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

● پاکستان کے نامساعد حالات میں 'اُمید کا دامن' ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور مسلسل محنت کرتے چلے جانا ہی کامیابی کا 'واحد' راستہ ہے بقول علامہ اقبال

می شود پردہ چشم پر کاہے گاہے　　دیدہ ام دو جہاں راہ بنگاہے گاہے
منزل عشق بسے دور دراز است ولے　　طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے
درطلب کوش و مدہ دامنِ اُمید ز دست　　دولتے ہست کہ یابی سر راہے گاہے

ترجمہ: (ملت اسلامیہ کے حالات پر) غور کرتے ہوئے کبھی گھاس کا تنکا میری آنکھ کی آڑ بن جاتا ہے اور بسا اوقات مسلمانوں کے شاندار مستقبل کے بارے میں دونوں جہانوں کی تیاریاں میری نگاہ میں آ جاتی ہیں، مسلمانوں کی منزل (عالمی خلافت کا قیام) دور سہی مگر بعض اوقات صدیوں کے راستے (تحریک پاکستان کی کامیابی کی طرح) سیکنڈوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اے مسلمان نوجوان! اُمید کا دامن کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دو اور محنت کرتے چلے جاؤ۔ کتنی دفعہ (ایسے ہوتا ہے کہ) کامیابی کی دولت 'سر راہے' مل جاتی ہے۔

● جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے گزشتہ ایک صدی میں عالمی سطح کی جو بے مثال کامیابیاں حاصل کی ہیں ـــ وہ اس کا بین ثبوت ہیں کہ اب 'طلوعِ اسلام' کا مرحلہ قریب ہے اور اسلام کا خورشید ایسا چمکے گا کہ یہ چمنِ عالم اپنی تمام متاع گل سمیت اسلام سے منور ہو جائے گا اور چمن عالم کی ہر صدائے نغمہ سرا (میڈیا) اسلام کی نغمہ خواں ہو جائے گی اور یہ سب کچھ موجودہ دجالی اور صہیونی بالادستی کی ناک رگڑ کر ہوگا۔ اس لئے کہ انسانیت گزشتہ پانچ صدیوں میں سیکولرازم کے کرب، یونانی فلسفہ کے عذاب اور رومی انداز حکمرانی کی جہنم میں جل کر اس کا تجربہ کر چکی ہے اور اس کا مداوا یقیناً حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی یعنی اسلام کے اصولِ عدل

وانصاف،عظمت ومساواتِ انسانی،اللہ کی حاکمیت اور کفالت عامہ کے تصورات میں پنہاں ہے۔

ہمارے قدم تھک سکتے ہیں ہماری آنکھیں اس انتظار میں پتھرا سکتی ہیں مگر ہم یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ موجودہ عالمی صہیونی حیوانی تہذیب ہی اب انسانیت کا مقدّر ہے اور یہی END OF HISTORY ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

- یقیناً عالمی سطح پر مستقبل اسلام کا ہے اور IDEALOGY OF FUTURE اسلام ہی ہے جہاں دنیا خواہی نخواہی پہنچ کر رہے گی۔اے اللہ ان مبارک ساعتوں کو جلد لے آ۔آمین

پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں
سب سے اہم ـــــ ریاستی ستون
ایک نظریاتی نظامِ تعلیم ہے

انجینئر مختار فاروقی

دورِ حاضر میں مغرب نے جدید ریاست کے تین اہم ستون انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ قرار دیے ہیں، فوج اس ریاست کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کرتی ہے جبکہ (آزاد) میڈیا بھی ریاست کا اہم ستون سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک ایک نظریاتی ریاست کے لیے سب سے اہم ستون ایک نظریاتی نظامِ تعلیم ہے اس لیے کہ نظریاتی ریاست کے تسلسل اور استحکام کے لیے 'نظریے' کا ایک نسل سے دوسری نسل میں 'من وعن' منتقل ہونا ضروری ہے جس کا ذمہ دار نظامِ تعلیم ہے۔ اگر نظریاتی ریاست کا نظامِ تعلیم نظریاتی نہیں ہوگا تو 'نظریہ' کا تسلسل ختم ہوجائے گا اور وہ نظریاتی ریاست ایک نظریاتی گھٹن یا خلاء کے نامساعد حالات میں تحلیل ہوکر حصے بخرے ہوجائے گی۔ ایسی ہی خوفناک حالت آزادی کے 65 سال بعد (ایک نظریاتی نظامِ تعلیم کے شدید فقدان کے باعث) آج 'پاکستان' کی ہے کہ اس کے وجود کو مستقل خطرات لاحق ہیں۔ اس بات کی وضاحت اور تصریح کے لیے یہ مضمون شائع کیا جارہا ہے۔

(ادارہ)

1 ریاست کی تعریف

اسٹیٹ (STATE) یا ریاست دورِ حاضر کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ کسی خاص جغرافیائی حدود میں انسانوں کی معتدبہ تعداد کا کسی طے شدہ قانون کے تحت منظّم زندگی گزارنا ریاست کی تعریف میں آتا ہے۔ دنیا میں ایک طرف چین اور بھارت ہیں جہاں کی آبادی اربوں نفوس پر مشتمل ہے اور دوسری طرف اینڈورا وغیرہ ریاستیں ہیں جہاں صرف چند ہزار نفوس بستے ہیں۔

2 تصورِ ریاست کا ارتقاء

آج سے چند صدیاں پہلے تک مجموعی طور پر ریاست کسی خاص خطے کے لوگوں کے اجتماعی معاملات کو چلانے والے ہاتھ اور خاندان ہی شخصی طور پر ریاست کے ہم معنیٰ سمجھے جاتے تھے۔ خاندانی بادشاہتیں اسی کا منطقی نتیجہ تھیں۔ ایسی ریاستوں میں افرادِ انسانی کی زندگی کا بہت تھوڑا حصہ ریاست کے زیر اثر آتا تھا اور زندگی کے بیشتر شعبے ریاست کے حکمرانوں کی تبدیلی یا اس کی ریاست کی حدود کی کمی بیشی سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔

3 انسانی زندگی.....انفرادی گوشے اور اجتماعی گوشے

انسانی زندگی کے بہت سارے گوشے اور شعبے ہیں اور سمجھنے کے لئے ایک آسان اور عام فہم تقسیم یہ ہے کہ انسانی زندگی کے کچھ انفرادی گوشے ہیں اور کچھ اجتماعی گوشے۔

انسانی زندگی کے مختلف گوشے کچھ اس طرح ہیں۔

- کائنات سے متعلق نظریات جو بالعموم عقائد کہلاتے ہیں۔
- انہیں نظریات کے مطابق انسانی صلاحیتوں، اوقات اور وسائل کا ایک حصہ خاص مراسم عبودیت (MODES OF WORSHIP) میں لگ جاتا ہے۔
- معاشرتی اور سماجی رسمیں، شادی بیاہ، نکاح طلاق بچوں کی پیدائش پرورش خوشی اور غمی کے مواقع کی رسوم
- تعلیم و تربیت ● روزگار کے مواقع اور ذرائع ● معاشی اور اقتصادی معاملات

- صحت، خوراک، حلال حرام کے تصورات، حفظانِ صحت کے اُصول، ہسپتال، ڈاکٹر، علاج معالجہ
- انسانی معاملات بیع وشرا، تجارت، مبادلۂ اشیاء، دکانیں، مارکٹیں، منڈیاں، سٹاک ایکسچینج کارخانے فیکٹریاں، بنک، لین دین، کرنسی، رقوم کی منتقلی، حساب کتاب۔
- جرائم اور ان کی روک تھام ضابطہ دیوانی و ضابطہ فوجداری، عدالتیں، کچہریاں، پولیس، جج، اعلیٰ عدلیہ وغیرہ۔ ● سیاست حکومت قانون سازی اوراس کا نفاذ
- صلح جنگ سرحدات کی حفاظت فوج رضا کار اور مسلح افواج نیز بری فوج بحری فوج اور فضائیہ اسلحہ اس کی تیاری خرید وفروخت وغیرہ۔ ● زراعت، باغبانی، جانوروں کا پالنا وغیرہ۔
- جنگلات، دریا، نہریں، سڑکیں، زمینی، بحری اور فضائی راستے اور ذرائع نقل وحمل۔
- لباس اور اس کے تقاضے اور فیشن ضروریاتِ زندگی، نفسیات، زیب و زینت کے مسائل اور ضروریاتِ جسمانی دیکھ بھال تراش فراش، ذرائع کھیل کود، مشغلے، صحت مند کے اُصول اور طریقے وغیرہ۔ ● رہن سہن، مقامات، تعمیرات، سیرگاہیں، انسانی تخلیہ (PRIVACY) صفائی گندگی، شہری اور شہریت کے اُصول وغیرہ۔ ● ٹیکسوں اور حکومتی محاصل کا نظام۔

ان مذکورہ شعبہ جات میں سے بعض شعبے تو واضح طور پر اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں یا انفرادی زندگی سے، تاہم بہت سے شعبے ایسے ہیں جو زمانے کے ساتھ بدلتے جارہے ہیں۔

4 اجتماعی گوشوں کا غیر متناسب پھیلاؤ

یہ حقیقت ہے کہ چند صدیاں پہلے تک انسان کی اجتماعی زندگی کا دائرہ بہت مختصر تھا جہاں ریاست کی عملداری ہوتی تھی اور انفرادی زندگی کا دائرہ وسیع تھا۔ جبکہ آج اکیسویں صدی میں کسی جدید ریاست میں ایک عام شہری کی انفرادی زندگی کے گوشے بہت سکڑ گئے ہیں اور یہ دائرہ بہت سمٹ گیا ہے جبکہ اجتماعی زندگی یا زندگی کے وہ شعبے جو ریاست کے دائرے میں آتے ہیں اور اس سے متاثر ہوتے ہیں بہت زیادہ پھیل گئے ہیں اور یہ دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔

ریاست کے دائرے میں وسعت اور انفرادی زندگی کے شعبہ جات کے سکڑنے کے عمل میں دورِ حاضر کی صنعتی زندگی اور جدید سہولیات کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

5 جدید ریاست کی مثال

مثال کے طور پر آج سے ایک صدی قبل کا انسان کسی شہری آبادی سے دور بستا ہے اس کو صاف ہوا میسر ہے، قدرتی پانی میسر ہے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن کی ضروریات پوری کرتا ہے، زمین کاشت کر کے اور جانور پال کر اپنی خوراک اور اجناس کی ضروریات پوری کر لیتا ہے۔ لباس کے حصول اور تعیّشات کے لئے بہت کم ضروریات تھیں سادہ زندگی تھی حکمرانوں کی تبدیلی کا ریاست کے دور دراز (REMOTE) علاقوں میں پتہ بھی نہیں چلتا تھا حتیٰ کہ آج بھی پاکستان جیسے ملک میں گوادر کے پاس کسی دیہات میں بسنے والا انسان یا چترال کے کسی دور دراز علاقے کا شہری حکومتی معاملات سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا تو ایک صدی قبل کے حالات کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ ـــــــ جدید اور ترقی یافتہ ریاستوں میں شہری علاقوں میں انسانی زندگی کے بیشتر شعبے اجتماعی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں یعنی ریاست کے کنٹرول میں جا چکے ہیں۔

مثلاً پاکستان میں بھی کراچی، لاہور، اسلام آباد/راولپنڈی کے شہری اپنی انفرادی زندگی کا دائرہ بہت ہی مختصر کر چکے ہیں۔

- سانس لینے کے لئے صاف ہوا ٹریفک کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے حکومتی اقدامات پر منحصر ہے کہ وہ صفائی کا کتنا خیال رکھتی ہے۔
- ایندھن کے لئے سوئی گیس حکومت کے کنٹرول میں ہے اس کی سپلائی اور قیمتوں کا تعین حکمرانوں کی صوابدید پر ہے۔
- بجلی ناگزیر ہے مگر اس کی فراہمی اور قیمت بھی حکمرانوں کی صوابدید پر ہے۔
- سفر اور ذرائع آمدورفت سڑکیں ریل فضائی سفر سب حکومت کے کنٹرول میں ہے۔
- تعلیمی شعبہ بھی اب انفرادی زندگی سے نکل کر ریاست کے پاس جا چکا ہے۔ نصابِ تعلیم حکمرانوں کی مرضی کا ہے (بلکہ اس سے بھی آگے عالمی مالیاتی اداروں کے مقروض ہونے کی وجہ سے ان کی مشیر اور ماہرین ہماری تعلیم کا نصاب بناتے ہیں) لباس بھی فیشن اور مقابلہ بازی کے ذریعے اجتماعی گوشے کا حصہ بن چکا ہے۔
- انسان کے لئے ENTERTAINMENT اور فارغ اوقات کے مشغلے یعنی کھیل،

کوداورتفریح سب ریاست کے کنٹرول میں جا چکے ہیں اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ہیں۔

- ریڈیو ٹی وی وغیرہ سے انسان کی پسند ناپسند کا دائرہ بھی اشتہار بازی کے ذریعے چھین لیا گیا ہے اور اب انسان صرف کمرشل اشتہاروں کے ذریعے چیزوں کے فوائد جانتا اور ان کو استعمال کرتا ہے اور خریدنے کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔

6 شہریوں کی انفرادی زندگی کا دائرہ سکڑ گیا ہے

الغرض صنعتی ترقی کے دور نے انسانی زندگی کو مشینی بنا دیا ہے اور انفرادیّت (غور وفکر، تفریح، اعلیٰ خیالات، اخلاق وکردار سازی جیسے معاملات اور مذہب (موت اور موت کے بعد کی زندگی خالق مالک کی رضا وغیرہ) کا دائرہ بہت محدود ہو چکا ہے اور تقریباً ختم ہونے کے قریب ہے۔

7 جدید ریاست کے اعضاء(ORGANS)

آج کی ریاست (جس کا دائرہ انسانی زندگی کے اکثر گوشوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے) کو کنٹرول کرنے اور حکمرانوں کو ظلم، لوٹ کھسوٹ، استحصال اور خودغرضی سے روکنے کے لئے ریاست کے کچھ ناگزیر تقاضے گزشتہ کئی صدیوں کے تعامل (EXPERIENCE AND INTERACTION) اور اسلام کے ابتدائی دور (دورِ خلافت راشدہ) کے بعد سے سامنے آئے ہیں اور جنہیں اب دنیا کی بیشتر ریاستیں ناگزیر خیال کرتی ہیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔

8 جدید ریاست کے ستون

ریاست کے ناگزیر اعضاء یا جنہیں آج کی اصطلاح میں ریاست کے ستون (PILLARS OF THE STATE) کہتے ہیں یقیناً وہ اتنے اہم ہیں کہ گویا انہیں پر کسی ریاست کی عمارت یا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور ان ستونوں کے قیام سے ہی ریاست قائم ہوتی ہے ورنہ ریاست ناکام ہو جاتی ہے اور منہدم ہو جاتی ہے۔

ریاست کے اہم ستون

(1) انتظامیہ جو ریاست کو چلاتی ہے۔ صدر، وزیراعظم اور اس کے ماتحت ساری سرکاری مشینری 'انتظامیہ' کہلاتی ہے۔

(2) مقنّنہ (قانون ساز ادارہ) یا پارلیمنٹ صدر اور وزیراعظم کے تقرّر اور ہٹانے کا طریقہ آئین میں ہی طے ہوتا ہے۔ اس میں سینیٹ اور یا قومی اسمبلی شمار کی جاتی ہے، جو اس ملک کے شہریوں کے لیے قانون سازی کا حق رکھتی ہے۔ اس کا خاص طریقہ آئین میں معین ہوتا ہے۔

(3) عدلیہ: ان اعلیٰ اداروں (انتظامیہ، مقنّنہ اور فوج) کے اپنے اپنے دائرے میں کام کرنے اور آئین کی حدود کے اندر رہنے کو یقینی بنانے اور خلاف ورزی پر ٹوکنے کے لئے اعلیٰ عدلیہ کا ادارہ ہوتا ہے۔ دنیا میں انصاف کی علمبرداری کے لئے آئین میں طے ہوتا ہے کہ اگرچہ ججوں کو انتظامیہ ہی مقرر کرتی ہے مگر عدلیہ کے ججوں کو حکمران خود ہٹا نہیں سکتے۔ ان کے ہٹانے کے لئے ایک طویل عدالتی طریق کار طے ہوتا ہے تاکہ حکمرانوں کی پسند اور ناپسند کی کوئی تلوار ججوں کے سر پر نہ لٹکتی رہے جس سے انصاف کی فراہمی ناممکن ہو جائے۔

(4) فوج: ملک کے سربراہ کے ماتحت 'فوج' کا ادارہ ہوتا ہے جو ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور اندرونی خطرات کا مقابلہ کرتا ہے۔

(5) امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں یہ تصور بھی ہے کہ ریاست کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق چلانے اور تمام آئینی اداروں کو بیدار رکھنے کے لئے ایک ''آزاد میڈیا'' کا ہونا بھی ضروری ہے۔

9 ریاست کی قسمیں

آئین، انتظامیہ، مقنّنہ، عدلیہ اور فوج کے بعد آزاد میڈیا ـــــــ یہ سب ستون ایک ریاست کے لئے ناگزیر ہیں۔ مگر یہاں یہ بات بھی سامنے رہنی چاہیے کہ دنیا میں چونکہ اس وقت قریباً 200 کے قریب ریاستیں ہیں اور وہ UNO کی ممبر ہیں۔ لہٰذا اس کثیر تعداد کی وجہ سے لامحالہ ریاستوں کی ایک تقسیم سامنے آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ

(i) ترقی پسند یا لبرل ریاست (ii) نظریاتی ریاست

ریاست کی ایک عام قسم لبرل ریاست یا ترقی پسند ریاست ہے۔ سائنسی، صنعتی اور سوشل ارتقا سے جو چیزیں بھی سامنے آتی جائیں اور جیسے اجتماعی تقاضے اُبھریں ریاست کے عوام کے لئے ان چیزوں کو فراہم کرنا اور ان اُصولوں کو عام کرنا اب ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ان نئے

نظریات، خیالات، مفروضات کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ ریاست عوامی اکثریت کی بنیاد پر کرے گی اور جس چیز کو بھی عوام کی اکثریت اپنے لئے مفید تصوّر کرے گی اسے بطور پالیسی اختیار کرلے گی۔ یہ ایک جدید فلاحی ریاست کا تصوّر ہے۔

دوسری طرف ریاست کا ایک تصوّر یہ ہے کہ کوئی ریاست ایک خاص نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آئے اور وہ سائنسی ترقی، ایجادات، انسانی فکر اور تجربے سے سامنے آنے والے نئے نظریات اور خیالات کو من وعن قبول کرنے کو تیار نہ ہو بلکہ وہ ان تمام باتوں کو اپنے لیے پہلے سے طے شدہ/اختیار کردہ ایک نظریہ (IDEOLOGY) پر پرکھ کر دیکھے، نظریہ کے مطابق ہو تو اختیار کرے ورنہ اس کو ردّ کردے اور اس پر پابندی عائد کردے۔ یہ ریاست ایک نظریاتی ریاست (IDEOLOGICAL STATE) کہلاتی ہے۔

10 نظریاتی ریاستیں

دنیا میں اس وقت صرف دو نظریاتی ریاستیں تسلیم کی جاتی ہیں:

(i) اسلامی جمہوریہ پاکستان (ii) اسرائیل

نظریاتی ریاست کے طور پر اسرائیل اپنے نظریات سے وفاداری کر رہا ہے اور اس کے حکمران اور تمام ادارے اس نظریہ کی حفاظت کے پابند ہیں اور اُصولی طور پر پاکستان بھی ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کے تمام اداروں کو نظریہ کے مطابق ہی کام کرنا چاہیے اور اس نظریے کی حفاظت بھی کرنا چاہیے۔

11 نظریاتی ریاست کے ستون

نظریاتی ریاست بھی بنیادی طور پر ایک ریاست ہی ہے لہٰذا اسے معروف معنی میں ریاست کے سارے تقاضے بھی پورے کرنا ہوتے ہیں یعنی ریاست کے وہ ناگزیر ستون (PILLARS) جو ایک لبرل یا ترقی پسند ریاست کے طور پر ہم نے قارئین کے سامنے رکھے ہیں، وہ اس نظریاتی ریاست کو بھی سہارا دیتے ہیں۔ اضافی طور پر ایک نظریاتی ریاست کے لیے چونکہ نظریہ یا IDEOLOGY زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اس نظریہ کو زندہ رکھنا اس

نظریاتی ریاست کے لیے سب سے زیادہ اہم، سب سے اوّلین (FOREMOST) اور سب سے بنیادی ذمّہ داری ہوتی ہے۔

12 لبرل ریاست اور نظریاتی ریاست کا فرق

ریاست کا نظریاتی ہونا یا لبرل اور ترقی پسند ہونا اس ریاست سے باہر کے لوگ فیصلہ نہیں کرتے اور نہ ہی آج کے دور میں کوئی دوسرا ادارہ یا ملک کسی قوم کو جبراً یہ فیصلہ DICTATE کرا سکتا ہے (اِلا یہ کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کی غلام ہو یا اس کے حکمران اور اشرافیہ (ELITE) اپنے ملک کے عوام سے غدّاری کر کے دشمن سے مل جائیں)۔

جب اس ملک کے شہری اور عوام کی اکثریت یہ طے کر لے کہ ہم ایک خاص نظریہ کے ماننے والے ہیں لہٰذا ہم اپنی اس ریاست میں اسی نظریہ کے مطابق رہیں گے تو یہ فیصلہ ـــــــ اس ریاست کو نظریاتی بنا دیتا ہے۔

اس بات کو ذرا گہرائی میں سمجھنے کے لئے قارئین غور فرمائیں تو صاف نظر آئے گا اور اس کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ کسی ریاست کے نظریاتی ہونے کا فیصلہ اس ملک کے عوام ہی کرتے ہیں۔ اور اُصولاً ـــــــ ایک لبرل ریاست یا ترقی پسند ریاست بھی ایک 'غیر اعلانیہ' نظریاتی ریاست ہی ہے اس لئے کہ اس لبرل ریاست کے عوام نے خاموشی سے اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ وہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ کسی رکاوٹ اور تحفّظات کے بغیر چلتے چلے جائیں گے۔

ریاست کے عوام کا لبرل اور ترقی پسند ہونے کا یہ فیصلہ (اور ہر فیصلہ یقیناً غالب اکثریت کی بنیاد پر ہی ہونا ضروری ہے) اس ریاست کو یہ نظریہ دے رہا ہے اور لبرل ہونا بھی ایک 'نظریہ' ہے لہٰذا ـــــــ اس ملک کے اداروں کو عوام کی مرضی کے بغیر ریاست کے لبرل نظریہ کو بدل دینا، اخلاقاً اور قانوناً صحیح نہیں ہے۔ جس طرح ایک لبرل اور سیکولر ریاست میں اسلام کے مطابق عورت کا پردہ کرنا اور اللہ کے احکام کے مطابق قانون بنا لینا انتظامیہ اپنے لیے چیلنج سمجھتی ہے اور عدلیہ بھی اس کی حمایت کرتی ہے تو اسی طرح ایک مسلم نظریاتی ریاست میں 'سیکولر' نظامِ تعلیم یا شراب یا بے حیائی کے عوامل کا سرکاری حیثیت میں نفاذ ـــــــ نظریاتی ریاست کی انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ اور فوج کے علاوہ میڈیا کے منہ پر ایک طمانچہ سے کم نہیں ہے۔

13 نظریاتی ریاست اور نظریہ

ایک نظریاتی ریاست میں عوام کی غالب اکثریت کے بقائمی ہوش وحواس اور بلا جبر واکراہ اس بات کو اختیار کرنے کے بعد کہ وہ ایک نظریہ کی علمبرداری کو لے کر چلنا چاہتے ہیں اور ریاست اس نظریہ کو سرکاری طور پر اختیار بھی کر لے تو وہ ریاست نظریاتی ریاست کہلائے گی۔ اس لئے کہ اس کے عوام نے واضح طور پر (EXPILICTLY) اپنے ارادے اور مرضی (WILL) کا برملا اظہار کر کے اس نظریہ کو اختیار کیا ہے۔

لہٰذا ایک نظریاتی ریاست کے لئے نظریہ (اس ریاست کے لئے) زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے کہ وہ اس ریاست کا مقصد وجود ہے اور جو چیز اپنے مقصد وجود کو کھو دے اس کے قیام کا کوئی منطقی (LOGICAL) جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ اپنے مقصد وجود کو کھو جانے والی اشیا اور ریاستیں جلد ہی فنا کے گھاٹ اُتر جاتی ہیں۔

14 نظریاتی ریاست کے لئے نظریّہ کی اہمیت

نظریاتی ریاست کے لیے اس کا نظریّہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا ایک نظریاتی ریاست کے لئے نظریہ ناگزیر حیثیت رکھتا ہے جیسے انسانی جسم میں جان ہے اسی طرح نظریہ ـــــ ایک نظریاتی ریاست کے لئے بمنزلۂ جان ہے۔ جان کے بغیر جسم ایک مردہ لاش (DEAD BODY) ہے جو جلد یا بدیر تعفّن کا شکار ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ وہ نظریاتی ریاست جو اپنے نظریہ کو بُھلا دے گی یا نظرانداز کر دے گی وہ ریاست بھی ایک بے جان لاش کے طور پر چاہے کچھ عرصہ سامنے رہے مگر اس سے کسی خیر کے فروغ اور اس ریاست کے شہریوں کو اپنے نظریے کے مطابق کسی فوز وفلاح کی اُمید تو کیا ہو گی اُلٹا اس نظریے سے غدّاری اور بے وفائی کی سزا مل کر رہے گی۔

15 نظریاتی ریاست اپنے نظریّہ کے فروغ سے ہی زندہ رہ سکتی ہے

یہاں پہنچ کر یہ بات کسی مزید دلیل اور تشریح کی محتاج نہیں رہی کہ ایک نظریہ ـــــ نظریاتی ریاست کیلئے بمنزلۂ جان ہے اور نظریہ ہے تو ریاست قائم ہے ورنہ ریاست معدوم ہو جائے

گی۔لہٰذا یہ مسئلہ نہایت اہم اور غور طلب ہے کہ ایک نظریاتی ریاست میں نظریہ کا فروغ کیسے ہو؟

فوج کا ادارہ ریاست کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے دشمن کے حملوں سے بچاتا ہے ملک کو اندرونی خطرات اور قدرتی آفات سے بچاتا ہے۔ہنگامی حالات میں ریاست کے شہریوں کی حفاظت بالعموم فوج ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔سیلاب، زلزلے، وبائی امراض، ناگہانی کسی بڑے حادثہ کی صورت میں فوج ہی ایک منظّم ادارے کے طور پر صورتحال کو سنبھالتی ہے۔

انتظامیہ ریاست کے روزمرّہ کے معاملات، تجارت، ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، ذرائع آمدورفت اور امن کے زمانے میں شہری سہولتوں کی فراہمی کی ذمہ دار ہوتی ہے اور سرکاری محاصل کا حصول، اس کی تقسیم اور ریاست کی دیگر ضروریات اسی کے تحت آتی ہیں۔

مقنّنہ: قانون ساز ادارہ ہے جو ریاست کی مستقبل میں امن و امان کی ضروریات، دوسرے ممالک سے تعلقات، خارجہ پالیسی، معاشی پالیسی اور داخلہ پالیسی وغیرہ طے کرتی ہے اور قوم کے مزاج اور توقعات پر پورا اُترنے کی سعی کرتی رہتی ہے۔

عدلیہ: آئین میں طے کردہ طریق کار اور اداروں کی متعیّن شدہ حدود کے مطابق ریاستی اُمور کی نگرانی کرتی ہے تاکہ کوئی ادارہ غفلت یا خودغرضی کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور نہ ہی کسی دوسرے ادارے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے اور نہ ہی دوسرے ادارے کے معاملات میں مداخلت کرے۔

اس وضاحت سے اس بات کی اہمیّت اور ضرورت سامنے آجاتی ہے کہ ایک نظریاتی ریاست میں جہاں نظریہ اس ریاست کے لئے بمنزلۂ جان ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ نظریاتی ریاست کے لئے 'نظریہ' کا فروغ کیسے ممکن ہے اور اس نظریہ کے فروغ کے لئے معروف معنیٰ میں ریاست کے ستونوں میں سے کونسا ستون ہے جو اس ذمّہ داری کے بوجھ کو اُٹھانے کا اہل ہے یا اس بوجھ کے اُٹھانے کے لئے جوابدہ۔

16 مغربی دانشور لاجواب ہیں

دورِ حاضر کی ترقی یافتہ ریاستوں کے اعلیٰ دماغ (MASTERMINDS) یا زیادہ واضح اصطلاح میں وہاں کی سوسائٹی کا BRAIN TRUST یا INTELLIGENTIA

یہاں پہنچ کر حیران اور لاجواب ہے۔اس لئے کہ اُن کے بیان کردہ ریاست کے ستونوں میں کوئی ستون بھی نظریاتی ریاست کے لئے نظریہ کے فروغ کا ضامن نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اہل۔

مغربی دانش وروں کی اس پُراسرار کیفیت کی دو ممکنہ وجوہات ہوسکتی ہیں:

(i) نظریہ کی اہمیت ایک نظریاتی ریاست کے لئے ہوسکتی ہے اور چونکہ جدید مغربی ریاستیں سب لبرل یا ترقی پسند ریاستیں ہیں (ان ریاستوں کیلئے اب ایک اور اصطلاح بھی عام کی گئی ہے سیکولر ریاستیں (SECULAR STATES)) ان ریاستوں کے استحکام کے لئے جو ڈھانچہ آئین نے دیا ہے اور اپنے اجتماعی معاملات چلانے کے لئے جو STATE CRAFT انہوں نے تراشا ہے وہ ان کی ضرورتوں کی کفایت کرتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے انہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

(ii) مغربی دانشوروں کا اس سطح پر لاجوب ہونا یا (دانستہ) خاموشی اختیار کرنا (تجاہل عارفانہ) ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ ریاستی ستونوں کو ڈھالنے اور کھڑا کرنے میں جہاں تک ان کی سیکولر ریاستیں ضرورت مند تھیں وہ ساری ضرورتیں اُنہوں نے پوری کردی ہیں۔

یہ مغربی دانشور لبرل، آزاد خیال اور روشن خیال ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنی ریاستوں کے 'سیکولر مزاج' کے تحفّظ کے لئے غیر علانیہ ایک سیکولر نظامِ تعلیم رائج کیے ہوئے ہیں۔ اس نظامِ تعلیم سے جو نسلیں تیار ہوکر ان ریاستوں کا انتظام سنبھالنے کی اہل بن رہی ہیں وہ ان کی پسندیدہ ریاست کے مزاج اور 'سیکولر نظریہ' کے عین مطابق تیار ہو رہی ہیں۔

اُوپر ہم درج کرآئے ہیں کہ ایک لبرل اور سیکولر ریاست بھی ایک سطح پر آکر ایک 'نظریاتی ریاست' ہی ہوتی ہے۔لہٰذا اس ریاست کے اس سیکولر مزاج کا تحفظ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کسی اعلانیہ نظریاتی ریاست کے لئے اُس کے نظریہ کا تحفظ ضروری ہے۔

17 ریاست کا نظریاتی مزاج اور نظامِ تعلیم

یہ بات ذرا سے غور وفکر سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی ملک میں نئی نسل کی تربیت اور تعلیم کا ذمہ دار تعلیمی نظام ہے اور تعلیمی نظام کے تحت بچوں کا کیسا ذہن پرورش پا رہا ہے یہ اس ریاست کے نظامِ تعلیم کے متعین کردہ اغراض و مقاصد اور مجموعی طور پر پوری تعلیم کے اہداف اور

ORIENTATION پر منحصر ہے۔

ایک نظریاتی ریاست یقیناً اپنے ملک میں اپنے نظریے سے وابستگی کے لحاظ سے تسلسل کی خواہش مند ہے تو لازماً اس ریاست میں اپنے نظریے کے مطابق ایک نظامِ تعلیم ترتیب دینا ضروری ہوگا۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی ریاست کی طرح اس کے نظامِ تعلیم کا بھی کوئی ہدف اور نظریہ ہونا ضروری ہے۔ قارئین کرام تھوڑی دیر اس پر توقف کر کے غور کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آئے گی کہ نظامِ تعلیم ہی کسی قوم کو کوئی نظریہ یا آئیڈیل یا ہدف دے سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک نظریاتی ریاست کے لئے ایک نظریاتی نظامِ تعلیم ناگزیر ہے۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ نظریاتی ریاست کی نئی نسل کو سیکولر نظامِ تعلیم کے ذریعے ریاست کے نظریہ سے وفاداری کی تربیت اور جذبہ نہیں دیا جاسکتا۔

18 ریاست کا نظریہ اور تعلیم کا نظریہ ایک ہونا ضروری ہے

نظریاتی ریاست کے لئے نظامِ تعلیم میں صرف کسی نظریے کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ایسا نظریاتی نظامِ تعلیم ہونا ضروری ہے جو ریاست کے نظریہ کا عکّاس ہو۔

ایک سیکولر ریاست کا نظامِ تعلیم ایک 'نظریہ' کے تحت اور خاص اہداف کا حامل ہوگا جبکہ ایک نظریاتی ریاست کا نظامِ تعلیم ریاست کے نظریہ کا حامل ہونا ناگزیر ہے تبھی ریاست کے اندر رہنے والے افراد میں نظریہ کا تسلسل باقی رہے گا۔

ایک سیکولر ریاست کا نظامِ تعلیم اور ہوگا اور اسرائیل جیسی نظریاتی ریاست کا نظامِ تعلیم اور ہے اسی طرح پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اس کا نظامِ تعلیم بھی اپنے نظریہ کے مطابق ہونا چاہیے۔

اُوپر ہم درج کر آئے ہیں کہ ترقی پسند ریاست یا لبرل ریاست بھی حقیقی طور پر (FOR ALL PRACTICAL PURPOSES) ایک نظریاتی ریاست ہی ہوتی ہے اس کا نظریہ سیکولرازم ہے لہٰذا ایک سیکولر نظام سے تعلیم یافتہ افراد کسی نظریاتی ریاست کے لئے کوئی مفید خدمت نہیں دے سکتے بلکہ اس ریاست کے نظریہ سے بے وفائی کے سبب ریاست کی تباہی اور ناکامی کا باعث ہوں گے۔ اسرائیل اور پاکستان دو نظریاتی ریاستیں ہیں۔ دونوں ریاستوں کا

اگر نظریہ ایک ہے تو ایک ہی نظامِ تعلیم کامیاب ہوگا اگر نظریہ مختلف ہے تو ایک نظامِ تعلیم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ریاستوں کا نظریہ اس کے نظام سے واضح طور پر جھلک رہا ہوا اور اس کے رگ و ریشے میں سرایت کیا ہوگا تو اس ریاست کی نئی نسل پورے طور پر نظریاتی ہوگی اور ریاست کے نظریہ کا تحفظ بھی کرے گی اور اس کے تسلسل کا بھی باعث بنے گی۔ نظریاتی نظامِ تعلیم ایک نظریاتی ریاست کے لئے واقعی 'زندگی' کی علامت ہے۔

19 جدید مغربی ریاستیں اور ان کا نظامِ تعلیم

ہر جدید مغربی ریاست نے اپنے نظامِ تعلیم کو اپنے ریاستی نظریہ یعنی سیکولرازم سے ہم آہنگ کیا ہوا ہے اور وہاں کے اہل دانش اور ماہرین تعلیم کا رویّہ قابل داد ہے کہ اُنہوں نے اپنے ریاستی نظریہ کو تسلسل اور دوام بخشنے کا پورا پورا اہتمام کر دیا ہے۔ یہ روش ان کی اپنے نظریہ سے وابستگی اور خلوص کی علامت ہے۔ اسی لئے ہر ریاست کامیابی کے زینے چڑھتی چلی جارہی ہے اور ان کی آئندہ نسلیں تعلیمی اداروں سے تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا نظریہ بھی لے کر نکلتے ہیں۔

20 مغربی ریاستوں کا نظامِ تعلیم ___ چند تاریخی حقائق

- یورپ میں مسیحیت ابتدائی دور میں ہی آ گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوراً بعد عیسائیوں کی ایک اہم شخصیت نے (جو سینٹ پال کے نام سے مشہور ہے) پہلی صدی عیسوی میں ہی یورپ کا سفر اختیار کیا اور وہاں کئی مراکز قائم کئے۔ اس وقت یورپ کے صرف وہ علاقے آباد تھے جو بحیرۂ روم کے کنارے واقع ہیں۔ سینٹ پال نے روم اور قسطنطنیہ کا بھی سفر کیا اور عیسائیت کی تبلیغ کی۔ باقی یورپ غیر آباد بھی تھا اور غیر متمدّن بھی۔ 300ء کے لگ بھگ سلطنت روم نے اجتماعی طور پر (EN-BLOCK) دین مسیحی اختیار کر لیا اور اس طرح سلطنت روم کی عملداری میں مسیحیت پھیل گئی۔
- مسلمانوں کے عروج سے بیت المقدس 16ھ (637ء) میں فتح ہوگیا تو کچھ عرصے بعد ہی مشرقِ وسطیٰ کا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگین آ گیا اور سلطنت روم یورپ تک محدود ہوگئی۔

قسطنطنیہ اس سلطنت کا پایۂ تخت رہا۔

- مسلمانوں کے عروج سے 300 سال بعد بھی یورپ (سپین کے علاوہ) کل مسیحی علاقہ تھا چنانچہ مسیحیت نے ایک مذہبی جنگ کی مہم چلا کر بیت المقدس واپس حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں (اس مہم کے پس پردہ یہود اور صہیونیت تھی ورنہ عیسائی جانتے تھے کہ مذہب کی تاریخ میں بعد کے آنے والا نبی سابقہ نبی کی حکومت اور مذہبی مراکز کا وارث بنتا رہا ہے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتح بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کا بغیر کسی مسلّح مزاحمت کے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کر دینا اسی مذہبی اُصول اور روایت کا نتیجہ تھا)۔ چنانچہ صلیبی جنگ شروع ہوئی سارا یورپ اُمڈ پڑا اور 1087ء میں بیت المقدس عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ ایک صدی کی کوششوں سے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے 1190ء_ 1192ء میں یروشلم کا علاقہ دوبارہ فتح کر لیا۔ اس طرح مسیحی طاقت دوبارہ یورپ تک محدود ہو گئی۔

- یہاں یورپ کے ملک اُندلس (سپین) میں مسلمانوں کی حکومت 711ء_ 1492ء تک قائم رہی اور شاندار ترقی، علم اور ہنر سے پورا یورپ فیضیاب ہوتا رہا۔ اس دور میں یورپ نے اپنے علاقوں میں دین مسیحی کے تحت ہی نظامِ تعلیم بنایا اور اس کو صدیوں چلایا ہے۔

- 1453ء میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہوا تو مشرق کی طرف سے بھی یورپ میں اسلام داخل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی نظریات کی پختگی اور انسان دوست تعلیمات کی وجہ سے قلب فرانس تک چلا گیا۔ 1492ء میں اُندلس (سپین) میں مسلم اقتدار ختم ہوا تو وہاں مسیحیت کو دوبارہ اپنا اقتدار اور طاقت بحال کرنے کا موقع مل گیا۔

- مسیحی یورپ، برطانیہ اور سکنڈے نیویا کے ممالک میں مسیحیت نے مسلمانوں سے علم و ہنر حاصل کر کے سائنسی ترقی کی، جس سے صنعتی انقلاب آ گیا جس کے بعد یہ یورپی ممالک اپنے وطن سے نکلے خام مال کی تلاش اور مشینی دور میں کارخانوں کے تیار مال کی کھپت کے لئے منڈیوں کی تلاش ہوئی تو مسیحیت کے یہ علمبردار ساری دنیا میں پھیل گئے۔ کہا جاتا ہے 1780ء_ 1790ء تک دنیا کا کوئی زمینی رقبہ ایسا نہیں تھا جہاں یورپی اقوام نہ پہنچی ہوں۔

- اس دور میں (صہیونیت کی در پردہ کوششوں سے) مذہب اور سائنس کی جدائی کر دی

گئی۔ عیسائیت جو پہلے عیسائی (مسیحی) تھے اور ORTHODOX تھے اب دو حصوں میں بٹ گئے ہیں: ایک CATHOLIC CHURCH اور دوسرا PROTESTANTS CHURCH۔ (اگرچہ عیسائیوں کے بے شمار فرقے اور بھی ہیں تاہم مشہور یہی دو گروہ ہیں صرف پاکستان کے علاقے میں ہی اٹھارہ قسم کے چرچ ہیں اور جن کا مذہبی طور پر اتنا بُعد ہے کہ وہ ایک دوسرے کے چرچ میں نہیں جاتے یعنی ایک دوسرے کو 'کافر' سمجھتے ہیں۔ اب شاید نائن الیون کے بعد ان فرقوں نے آپس میں مسلمانوں کے خلاف ایکا کر لیا ہے اور مکالمہ بین المذاہب کی مہم شروع کر رکھی ہے۔)

مسیحی یورپ اور اس کے پس پردہ یہودیت دونوں بنی اسرائیل ہیں بائبل کو مانتے ہیں۔ مذہب اور سائنس کی جدائی کے بعد مذہب اور ریاست یعنی مذہب اور سیاست بھی جدا کر دیے گئے یعنی مذہب اور حکومت کا بظاہر آپس میں کوئی تعلق نہ رکھنے کا اعلان ہوا ـــــ اگرچہ یہ اعلان صرف تیسری دنیا کے لئے تھا۔ دنیا کے تمام مقبوضہ علاقوں میں یورپی طاقتوں نے سیاسی قبضے کے بعد چرچ قائم کئے اُن کے لئے فنڈ مہیا کئے اور تیزی سے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔

- عیسائیت اور یہودیت ـــــ دونوں آسمانی ہدایت اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والے ہیں ـــــ حکومت کی سطح پر مسیحیت کا تحفظ بھی ہے مگر ـــــ عملاً نظامِ تعلیم ایسا جاری کیا جو دین دشمن، مذہب دشمن، اخلاق دشمن اور وحی دشمن تھا یعنی یونانی علوم کو سرکاری طور پر تعلیمی اداروں میں رائج کر دیا گیا۔

دوسری طرف عیسائیت اور یہودیت کی منافقت دیکھنے کے قابل ہے کہ سائنسی اور صنعتی ترقی، عالمی حکومت، وسائل کی بے پناہ وسعت، علمی برتری اور حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار حکومتی روایات، قانون اور نظام کے وارث ہونے کے باوجود ـــــ ظالمانہ بے رحمانہ اور سفاکانہ رومن لا اور رومی طرزِ حکومت کو اختیار کر لیا گیا۔ یورپ کی حد تک اپنا 'خون' اور برادری سمجھ کر آہستہ آہستہ رومی قوانین اور ریاستی جبر کو نرم کر دیا گیا مگر محکوم اقوام کے لئے دوسری جنگ عظیم تک وہی قانون نافذ رہا بلکہ غیر یورپی اقوام کے لئے اب بھی CIA اور گوانتاناموبے جیل اور ابوغریب جیل میں TORTURE اور سزا کے وہی رُومی طریقے جاری

ہیں بلکہ سائنس کی ترقی نے اس میں کئی درجہ اضافہ کر دیا ہے۔

- مذہب اور سائنس کی علیحدگی، مذہب سے ریاست کی جدائی اور صنعتی ترقی کے ثمرات سمیٹنے کے لیے یورپی ممالک (بشمول امریکہ) میں سیکولر نظامِ تعلیم جاری ہوا۔ شروع شروع میں کچھ مذہب کا رنگ نظر آتا تھا مگر ہوتے ہوتے مذہب کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور سیکولرازم پورے طور پر غالب آ گیا۔

21 صہیونیت کا طریقہ واردات.....دجل وفریب

کہا جاتا ہے کہ عالمی حکومت میں در پردہ صہیونیت کا سکّہ رواں ہے۔ صہیونیت اگر اس عالمی غلبہ کے بعد اپنے مذہبی اخلاق، اصولِ جہانبانی (حضرت داؤد علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام کے اصول) اور آسمانی بادشاہت کے احکام نافذ کرتے تو دنیا کی مشکلات اور مصیبتیں بہت کم ہو جاتیں۔ اسی طرح تعلیم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق کر دیتے تو بھی بے حیائی، درندگی، حیوانیت اور مادر پدر آزادی (روشن خیالی) نہ ہوتی اور نوع انسانی میں بلا لحاظ مذہب و ملت انسان ذہنی آسودگی اور اطمینان سے زندگی گزارتے ہر طرف معرفت خداوندی اور اس کی بندگی کا دور دورہ ہوتا۔

_____ مگر صہیونیت کے مقاصد چونکہ لوٹ کھسوٹ اور دوسروں کو حیوان بنا کر فکر معاش میں مگن رکھ کر، لوٹنے کے تھے۔ بقول علامہ اقبال

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا ،جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش!

لہٰذا انہوں نے سیکولر نظام تعلیم کو رواج دیا۔ یہ طرز عمل ان کی بدنیّتی، انسان دشمنی اور ابلیسی سوچ کا عکّاس ہے۔

22 نظریاتی ریاست پاکستان_____ کے لئے نظریاتی نظامِ تعلیم ایک ناگزیر ضرورت ہے

نظریاتی ریاست پاکستان کے لئے ریاست کے دیگر ستونوں سے کہیں زیادہ اہم

ستون ـــــــ نظامِ تعلیم ہے۔ یہ ریاست مغربی اور ابلیسی سیکولر نظامِ تعلیم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ بات عیاں ہے کہ پاکستان بنتے وقت مسلمانوں میں کتنا جوش اور جذبہ تھا۔ اسی نظریاتی نظامِ تعلیم کے فقدان سے وہ اب دونسلوں بعد معدوم ہو چلا ہے۔ ہماری نئی نسل کے نونہالوں کو نظریۂ پاکستان کا علم ہی نہیں۔ اور یہی صورت حال رہی تو ملک کا اللہ ہی حافظ ہے، دشمن کی چال کامیاب ہوجائے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ نظامِ تعلیم ہی وہ ریاستی ستوں ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو ریاست کا نظریہ منتقل کرتا ہے۔ آج اسی عنصر کا فقدان ہے اور یہ اہم ریاستی ستون منہدم ہونے کو ہے۔ اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں (نائن الیون کے بعد) اب تک ہماری حکومتوں میں امریکی صہیونی اہل کاروں کا جتنا عمل دخل بڑھ گیا ہے وہ اس بات سے عیاں ہے کہ ابھی (مارچ 2013ء) جو حکومتیں اپنے دور حکومت کو مکمل کر کے رخصت ہوئی ہیں اس دوران بھی غیر مسلم صہیونی اہل کار ہی نظامِ تعلیم کی پالیسی کنٹرول کر رہے تھے اور نگران بھی تھے۔ بقول علامہ اقبال

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ اِلا اللہ

23 نظریاتی ریاست کے محافظوں کے لئے کرنے کا کام

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سے پہلے کہ دشمن اپنی چالوں سے اور نظامِ عدل، نظامِ تعلیم، سرکاری ملازمین اور فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کو امداد اور کوالٹی ٹریننگ کے نام سے ہمارا نظریہ یکسر بدل کر رکھ دے۔ ملک خداداد پاکستان کے بہی خواہوں، دردمندوں علامہ اقبال و قائداعظم کے پرستاروں اور حضرت محمد ﷺ کے سچے اُمتیوں کا یہ فرض ہے وہ خوابِ خرگوش سے بیدار ہوں اور اس وطن کی فکر کریں۔ ورنہ عالمی اداروں میں اس ملک کی بربادی کے مشورے عروج پر ہیں اور آنکھوں والوں کو تو اس صورت حال کا مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔

بالخصوص پاکستان کی دینی و مذہبی جماعتوں، تنظیم اساتذہ اور مسلم سول سوسائٹی کو اس صورتِ حال کو بدل کر دینے کا عزم لے کر کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو مشیت خداوندی ہماری مدد کرنے کو تیار ہے

؎ اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

کبھی وطنی قومیت کو مغرب نے رواج دیا جس کی کاٹ کر کے ہم نے پاکستان بنایا۔ علامہ اقبال نے اسے 'بت' قرار دیا تھا۔ اسی طرح آج کے بت سیکولرازم اور سیکولر نظامِ تعلیم ہیں اور یہ مسلمان سے ہی توقع ہے کہ وہ_____

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے

● یہ بات نوشتہ دیوار ہے اور اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ آج پاکستان کے نوجوان کے ذہنی انتشار (مسجد و منبر کی آواز اور سکول اور میڈیا کے 'راگ' کا تضاد) کی اصل وجہ یہی سیکولر نظامِ تعلیم ہے اور اس ابلیسی منصوبے کو پہچاننے اور اس کے آگے بند باندھنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے نوجوانوں کے لیے اسی لیے خصوصی اشعار کہے ہیں

؎ دل توڑ گئی اس کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ اس کی پریشاں نظری کا

خوش قسمتی سے مفکر پاکستان علامہ اقبال نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا جس کی وضاحت و شرح کا حق ادا کر دیا ان کے ایک نامور قدردان اور عاشق یعنی اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب نے۔ آپ کی کتاب 'حکمت اقبال' فکر اقبال کی صحیح ترین شرح ہے۔ آپ کی پی ایچ ڈی کا مقالہ "IDEALOGY OF THE FUTURE" یعنی مستقبل کا نظریہ اسلام ہے۔ اور ڈی لٹ (D-LIT) کا مقالہ FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION اسلامی نظریہ تعلیم کے اصول ہیں۔ مزید یہ کہ انہوں نے ہی اسلامی تعلیم کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا تھا (1968ء) میں اور آل پاکستان اسلامی ایجوکیشن کانگرس بنائی مگر افسوس کہ ان کا نومبر 1969ء میں انتقال ہوگیا اور صہیونی دماغوں کی یلغار اتنی شدید تھی کہ بعد والوں کو اس میں پاکستان کی 'متاعِ تعلیم' کے لُٹ جانے کا احساس ہی نہیں ہوا____ اب نصف صدی بعد بھی اگر اس طرف توجہ ہو جائے تو یقیناً 'صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا نہیں کہلاتا'

والا معاملہ ہوسکتا ہے۔

24 پاکستان کے تعلیمی اہداف

پاکستان کے آئین کے مطابق ہماری قومی تعلیمی پالیسی میں آج بھی یہ درج ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ

OBJECTIVES OF HIGHER EDUCATION

(As outlined in the National Education policy)

1. To inculcate islamic ideology, moral values and preservation of our religious and cultural heritage.

2. To equip individuals with the latest knowledge and technology.

3. To provide sufficient base of scientific knowledge and develop capabilities of individuals so that they are able to play their role effectively in society.

4. To Promote intellectual faculties and develop capabilities of individuals so that they are able to play their role effectively in society.

5. To produce highly educated and technically skilled manpower in sufficient number as required by society.

6. To increase access to higher education by providing places and to advance learning and generate knowledge.

(THE DAWN LAHORE, SUNDAY, MAY 14,2006 PAGE 25)

یہ عبارت ایک طرف اور دوسری طرف ہمارے ملک کے طول وعرض میں سرکاری سکولوں، کالجوں اور جامعات کا نصاب یا ہمارے ملک کی اشرافیہ کے لیے برطانوی (اور امریکی) اداروں کا نظام (جو "O" اور "A" لیول کہلاتا ہے) دیکھیں تو آپ کو مشرق ومغرب کا فرق نظر آئے

گا۔ ہدف کیا ہے؟ اور طریقہ کار اور نظامِ تعلیم کیا ہے؟ پیش نظر کیا ہے؟ اور سفر کدھر جاری ہے؟

ان حالات میں ہماری قومی تعلیمی پالیسی کا یہ 'پیرا' پتھر پر کندہ کرا کر کسی میوزیم میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ کبھی ہماری یہ پالیسی ہوتی تھی جو ہم نے مغرب کی اندھی تقلید کے نتیجے میں بھلا دی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمارے نزدیک پاکستان کے نظریاتی تشخص کے استحکام و فروغ کے لیے موجودہ سیکولر نظامِ تعلیم کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا ضروری ہے اور اس کی جگہ اسلامی نظریاتی نظامِ تعلیم پر سنجیدگی سے عمل درآمد ضروری ہے۔ اہمیت کے پیش نظر اس کام کو جلد از جلد کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سے پہلے کے دشمن کے منصوبے ہمارے ملک کی نظریاتی جڑوں کو کھوکھلا کر دیں اور معاملہ ناقابل اصلاح ہو جائے۔

هَلْ مِنْ مُّسْتَمِعٍ وَ هَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہے کوئی سننے والا اور ہے کوئی غور کرنے والا

25 نظریاتی لحاظ سے پاکستان کی تعمیرِ نو

نظریاتی لحاظ سے پاکستان کی تعمیرِ نو ـــــــ کا کام ایک مبارک کام ہے اور بانیانِ پاکستان کی سوچ کا آئینہ دار بھی ہے اور لاکھوں شہداء راہِ وفا کا قرض بھی۔ کام کٹھن، مشکل اور حوصلہ شکن سہی مگر ہے بہت ضروری۔ انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ سمیت سب اداروں کا مقصدِ وحید یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس مشن کے لیے کمر کس لیں اور یہ تین کام ضرور کریں:

(1) اعلیٰ سطح پر مقنّنہ یا عدلیہ سب سے پہلے آئین کی دفعہ 62-63 کی تشریح وضاحت کر کے صرف ارکانِ پارلیمنٹ ہی نہیں پارلیمنٹ کے سرکاری سٹاف، فوج کے ہر فرد سرکاری ملازمت میں مالی قاصد اور کلرک سے لے کر سیکرٹری اور چیف سیکرٹری تک سب پر لاگو کر دے اور پرائیویٹ اداروں کے ڈائریکٹرز نیم سرکاری اداروں کے تمام ذمہ داران اور بالخصوص محکمہ تعلیم (سرکاری و غیر سرکاری) پر ان پابندیوں کا اطلاق لازم ہے۔

(2) اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قومی اسمبلی کے فلور پر پیش کرنے اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کر کے لاگو کرنے کے لیے قوانین و ضوابط بھی تشکیل دیے جانے ضروری ہیں۔

(3) مخلوط تعلیم (CO-EDUCATION) کو چھٹی جماعت سے یکسر ختم کر دیا جائے۔ مشنری سکولوں اور غیر مسلم تعلیمی اداروں (جن کے مالکان اور ذمہ دار غیر مسلم ہیں) میں مسلمان بچوں کا داخلہ یکسر بند کر دیا جائے اور غیر ملکی نصاب کی حامل جامعات، کالجوں اور سکولوں میں بھی مسلمان بچوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔ نیز ـــــ اندورنِ ملک امتحانی نظام کی نگہداشت کے لیے آغا خان فاؤنڈیشن طرح کے ادارے بھی اس کام سے روک دیے جائیں کہ مسلمان بچوں کے تعلیمی معاملات کے نگران بنیں اور سیکولر نظامِ تعلیم پھیلائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس اُمت کے دردمندوں کو جگا دے۔ اور ہم سب کو اپنے اپنے حصّے کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و ما ذالك على الله بعزيز

اعلان

فقیہ وقت، استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت مولانا

مفتی عبدالمجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

مجلّہ "صفدر" (گجرات) خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔

جملہ اہل علم و قلم اپنے تاثرات، تعزیتی پیغامات، مضامین و مقالات اور اشعار و نظمیں

دس (۱۰) شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ تک مندرجہ ذیل پتے پر ارسال فرما دیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

مولانا مفتی محمد شعیب عالم، جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

khadim.khan4@yahoo.com 0307-5687800 0321-3767912

انتخابات میں
ووٹ، ووٹر اور اُمیدوار
کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(شائع کردہ: صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک، کراچی)

اسلام کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ ہر زمانہ اور ہر جگہ کچھ لوگ حق پر سختی سے قائم رہتے ہیں جن کو اپنے ہر کام میں حلال وحرام کی فکر اور خدا اور رسول کی رضا جوئی پیش نظر رہتی ہے۔ پھر قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''آپ نصیحت کی بات کہتے رہیں کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو نفع دیتی ہے''

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ انتخابات میں اُمیدواری اور ووٹ کی شرعی حیثیت اور ان کی اہمیت کو قرآن اور سنت کی رو سے واضح کر دیا جائے۔ شاید کچھ بندگانِ خدا کو تنبیہ ہو اور کسی وقت یہ غلط کھیل صحیح بن جائے۔

اُمیدواری

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لئے جو اُمیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا اُمیدوار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے، یعنی قابلیت رکھتا ہے اور امانت ودیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے۔ اور بہتر طریق اس کا یہ ہے

کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ اگر اُمیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے۔ اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک وملت کے لیے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا، پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا۔ اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سب سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال تک محدود تھی کیونکہ بنص حدیث ہر شخص اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا وآخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر

کسی اُمیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبال دنیا وآخرت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث رسول کریم ﷺ نے شہادتِ کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ) اور ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم) جس حلقے میں چند اُمیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانیت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرلے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی شفارش

کرتا ہے۔اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے:

''جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے۔''

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا اُمیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک یا بد عمل کرے گا ہم اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹر کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس اُمیدوار کی اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا اور اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں کیوں کہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت، دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں۔اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ

مذکور الصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے۔اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کی ووٹ دینا ثواب عظیم ہے بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے۔قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے۔اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں۔ اللہ کے لئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہو جائیں۔

تیسری جگہ سورۃ طلاق میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو۔''

ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ

ترجمہ: ''سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے۔

ترجمہ: ''شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے۔''

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور ادا کریں۔ آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آ رہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے، جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لیے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے۔ اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی اُمیدوار قابل اور نیک معلوم ہوا ہے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی حرام اور پوری قوم وملت پر ظلم کا مترادف ہے اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی اُمیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اُصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع نہ کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔

مختصر یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے، جس کا

چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوت بولنا بھی حرام اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام۔ اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ آپ جس اُمیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم وعمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے اُمیدواروں سے بہتر ہے، جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(1) آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعے جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلہ میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(2) اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے، ثواب بھی عذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(3) سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے۔ اس لئے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(4) جو اُمیدوار نظریہ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے، اس کو ووٹ دنیا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(5) ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو، کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

اسلام اور سائنس

سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

جدید مغرب کے صنعتی اور ترقی یافتہ ممالک اپنے لیے ایک نقطہ نظر اور نظریہ (سیکولرازم) پسند کر کے اس کے شایانِ شان (MATCHING) نظامِ تعلیم کو اپنا کر اپنے نظریہ کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ نظریہ کو ریاست سے اور نظریہ کو نظامِ تعلیم سے جو نسبت ہے اس کے اظہار کے لیے الفاظ حقیقتاً ناکافی ہیں۔ جسد میں سر کی حیثیت قرار دیں یا جسم میں جان کی مثال دیں یا اندھیری رات کے سفر میں روشنی کہیں۔ الغرض ایک نظریاتی ریاست کے لیے نظریاتی نظامِ تعلیم کی ضرورت بیان سے باہر ہے۔ بخدا ــــــ ایک نظریاتی تعلیم کا فارغ التحصیل طالب علم دوسرے نظریے کے ملک میں 'قائد' بنے گا لیڈر بنے گا تو وہ کام کر دکھائے گا جو دشمن لاکھوں کے لشکر کے ساتھ حملہ کر کے نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (وفات 1969ء) ان نابغہ شخصیات میں سے تھے جو اقبال کے فلسفہ خودی کو سمجھتے تھے پاکستان کے قیام میں دوقومی نظریہ کی اہمیت سمجھتے تھے اور عصر حاضر میں نظامِ تعلیم کی باریکیوں کو بھی سمجھتے تھے۔ ان کے ایک مقالہ 'اسلام اور سائنس' کو ہم یہاں قارئین حکمت بالغہ کے لیے اقبال اکادمی لاہور کی اجازت سے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شاید یہ تحریر کسی 'صحرا' یا 'کوہستان' میں سے کسی سعید روح اور 'صاحب خودی' انسان کے دل کو گرما سکے۔

.....وَ مَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز.....

سائنس کیا ہے؟

علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام ''علم کائنات'' ہے جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات اور واقعات کا یا دوسرے لفظوں میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے۔ جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعہ سے عمل میں آتا ہے۔ سائنسدان کائنات کے مشاہدہ سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے پھر ان نتائج کو قابل فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ ہر درست سائنسی نتیجہ کو ہم ایک مستقل علمی حقیقت یا قانونِ قدرت سمجھتے ہیں۔ مشاہدہ سے دریافت ہونے والے نتائج یا علمی حقائق کو جب مرتب اور منظّم کرلیا جاتا ہے تو اسے ہم سائنس کہتے ہیں۔

سائنسی طریق تحقیق کے چار مرحلے

بعض وقت سائنسدان کائنات کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ براہِ راست ان کی قدرتی حالت میں کرتا ہے اور اس غرض کے لئے ان کو ڈھونڈھ نکالتا ہے اور خود ان کے قریب جاتا ہے۔ لیکن بعض وقت وہ اپنے معمل کے اندر کائنات کے حالات اور واقعات کو مصنوعی طور پر پیدا کر کے ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ گویا ان کو اپنے قریب لاتا ہے۔ لیکن خواہ سائنسدان مظاہر قدرت کے قریب خود جائے یا ان کو اپنے قریب لائے، دونوں صورتوں میں وہ کائنات کے مشاہدہ اور مطالعہ کی خاطر اپنے لیے سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سائنسدان کی اس کوشش کو تجربہ کا نام دیا جاتا ہے۔ تجربہ کی غرض مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کی غرض غور وفکر کے بعد نتائج اخذ کرنا۔ بعض وقت بہت سے الگ تھلگ سائنسی حقائق مل کر ایک ایسی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں جو براہِ راست تجربہ اور مشاہدہ کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ وہ بعض ثابت شدہ حقائق کو منظّم کرتی ہے؛ اس لئے سائنسدان اسے ایک قابل یقین نظریہ کے طور پر اپنے سائنسی حقائق میں داخل کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بغیر اس کے الگ تھلگ سائنسی حقائق قابل فہم نہیں ہوتے اور ان میں کوئی عقلی تنظیم یا وحدت پیدا نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ نظریہ بھی جب تک کہ سائنسی حقائق اسے غلط ثابت نہ کریں، ایک سائنسی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی

ہمارے مشاہدات کے نتائج میں شامل ہوتا ہے۔

سائنسدان کے اس طریق تحقیق کو جس کی روح کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے، سائنسی طریقہ تحقیق یا سائنٹفک میتھڈ (SCIENTIFIC METHOD) کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سائنسدان کے طریق تحقیق کے چار مرحلے ہوتے ہیں:

اوّل ـــــ تجربہ (EXPERIMENT)

دوم ـــــ مشاہدہ (OBSERVATION)

سوم ـــــ اخذ نتائج (INFERENCE)

چہارم ـــــ تنظیم نتائج (SYSTEMATIZATION OF INFERENCES)

سائنسی علوم کی قسمیں

کائنات کے تین واضح طبقے ہیں:

(1) مادہ (2) زندہ اجسام اور (3) نفس انسانی

اوران کے بالمقابل علم کائنات یا سائنس کے بھی تین بڑے حصے ہیں:

(1) مادہ کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا طبعیاتی علوم۔ جن میں علم طبعیات، علم کیمیا، علم الافلاک، علم الارض وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(2) زندگی کی ماہیت سے تعلق رکھنے والے علوم یا حیاتیاتی علوم۔ جن میں علم حیاتیات، علم نباتات، علم الحیوانات، علم الجنین، علم الابدان، طب وغیرہ علوم شامل ہیں۔

(3) نفس انسانی کی ماہیت اور اس کے مظاہر سے تعلق رکھنے والے علوم یا انسانی یا نفسیاتی علوم۔ جن میں نفسیاتِ فرد، نفسیاتِ جماعت، علم التاریخ، علم السیاست، علم الاخلاق، علم الاقتصاد، علم القانون، علم التعلیم وغیرہ شامل ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ریاضیات اور منطق بھی نفسیات ہی کی شاخیں ہیں؛ کیونکہ وہ ان اصولوں کی تشریح اور تفصیل پر مشتمل ہیں جن کے مطابق ذہن انسانی سوچتا ہے۔

ہم سائنس کے ان شعبوں کو اختصار کی غرض سے علی الترتیب، طبعیات اور حیاتیات اور نفسیات بھی کہہ سکتے ہیں۔

سائنسدان کے بنیادی اعتقادات

بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنس کو اعتقاد سے کوئی تعلق نہیں اور دورِ حاضر کا سائنسدان اپنی تحقیق کسی ایسے اعتقاد سے شروع نہیں کرتا جس کو اس نے بلا ثبوت پہلے سے قبول کر لیا ہو بلکہ وہ خالی الذہن ہوتا ہے اور اس کے مشاہدات جس طرف اسے لے جاتے ہیں، چلا جاتا ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ ہر سائنسدان اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کے طور پر حقیقت سائنس یا حقیقت علم کے متعلق کچھ عقائد رکھتا ہے جو خود حقیقت کائنات کے کسی عقیدہ سے ماخوذ ہوتے ہیں اور جو اس کی تحقیق کے نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر سائنسدان شروع سے ہی اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ کائنات ایک یکساں کل یا وحدت ہے۔ یعنی وہ فاصلہ اور وقت دونوں کے لحاظ سے ایسے منطقوں یا حصوں میں بٹی ہوئی نہیں جن میں متضاد قسم کے قوانین قدرت جاری ہوں۔ کائنات کے قوانین مسلسل اور مستقل ہیں وہ نہ صرف ہر جگہ ایک ہی ہیں بلکہ ہر زمانہ میں بھی ایک ہی رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سائنسدان کا یہ عقیدہ صحیح ہے اور اس کی صحت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ آج تک غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ یہ عقیدہ سائنسی تحقیق کا باعث ہے اس کا نتیجہ نہیں، سائنس کی تمام ترقیات جو اب تک ممکن ہوئی ہیں ان کی بنیاد یہی عقیدہ ہے۔ اگر سائنسدان اس عقیدہ سے آغاز نہ کرتے اور یہ عقیدہ صحیح نہ ہوتا تو سائنس ممکن ہی نہ ہوتی۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو سائنسدان کو سائنسی تحقیق کے لئے اُکساتا ہے اور اسی کی تصدیق سے وہ اپنے سائنسی نتائج پر مطمئن ہوتا ہے اور اس کی راہ پر آگے قدم اُٹھاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر سائنسدان کو معلوم ہو جائے کہ جو سائنسی حقیقت اس نے اپنی تحقیق سے آج اس وقت اور اس مقام پر دریافت کی ہے وہ محض وقتی اور مقامی ہے اور اس کی متبادل یا متوازی سائنسی حقیقتیں اس کائنات میں بہت سی ہیں یا آئندہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اگر اسے یہ خیال ہو کہ پانی سطح سمندر سے یکساں بلندی پر کہیں تو سو درجۂ حرارت پر اور کہیں پچاسی درجہ حرارت پر اُبلتا ہے اور کسی خاص مقام پر کسی وقت 100 درجہ حرارت پر اور کسی اور وقت پچاس درجہ حرارت پر اُبلتا ہے تو وہ اپنی اس تحقیق کے نتیجہ کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دے گا۔

کائنات کی وحدت کے نتائج

پھر کائنات کی اسی وحدت کی وجہ سے سائنسدان بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ سائنس ایک وحدت ہے اور تمام سچے سائنسی حقائق خواہ وہ طبعیاتی ہوں، یا حیاتیاتی یا نفسیاتی ایک دوسرے کے ساتھ عقلی طور پر وابستہ ہوتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ علمی ربط وضبط رکھتے ہیں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں ایک دوسرے کی تائید وتوثیق کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر روشنی ڈالتے ہیں اور کسی صورت میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوتے اور دوسرے کی علمی اور عقلی مخالفت نہیں کرتے۔ سائنسدان بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تمام سائنسی حقائق مل کر ایک ایسا عقلی اور علمی نظام بناتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی نام نہاد ''سائنسی حقیقت'' اس میں داخل کر دی جائے جو سچی سائنسی حقیقت نہ ہو تو وہ اس نظام میں سما نہیں سکتی کیونکہ تمام حقائق اس کی علمی اور عقلی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے جب سائنسدان دیکھتا ہے کہ اس کی تحقیق کے ذریعہ سے کوئی ایسی سائنسی حقیقت آشکار ہوئی ہے جو کسی دوسری سائنسی حقیقت سے جو پہلے سے معلوم اور مسلم ہو، ٹکراتی ہے تو وہ اپنی تحقیق کو ناقص سمجھتا ہے اور اس ''نام نہاد'' سائنسی حقیقت کو غلط سمجھ کر ردّ کر دیتا ہے یا پھر پہلی معلوم اور مسلم سائنسی حقیقت پر شبہ کرنے لگتا ہے، اس پر نظر ثانی کرتا ہے اور اگر وہ غلط ہو تو اسے ردّ کر دیتا ہے۔ سائنسی حقائق کی وحدت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب سائنس کا کوئی حصہ غلط طور پر ترقی کر رہا ہو تو ساری سائنس کی ترقی پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے یہاں تک کہ سائنس کے بعض حصوں کی ترقی بالکل رُک جاتی ہے۔ سائنسدان بلا ثبوت اور بلا دلیل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ہر سچی سائنسی حقیقت بہت سی اور سائنسی حقیقتوں پر روشنی ڈالتی ہے اور اگر اس نے ایک ایسی حقیقت کو ردّ کر دیا تو بہت سی اور سائنسی حقیقتیں اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گی اور سائنس کی ترقی اس کے کسی نہ کسی شعبہ یا حصہ میں رُک جائے گی۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جن سے سائنسدان اپنی تحقیق کا آغاز کرتا ہے۔ یہ اعتقادات اس کی تحقیق کے آغاز سے پہلے اس کے دل کے اندر بطور مسلمات موجود ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ثابت نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے اور ان کی مدد سے اور ان کی روشنی میں اپنے تمام سائنسی حقائق کو ثابت کرتا ہے۔

سائنس کی وحدت کا سبب حقیقت کائنات کی وحدت ہے

سائنسدان وحدتِ کائنات اور وحدتِ سائنس پر بلا ثبوت اور بلا دلیل اعتقاد کیوں رکھتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت انسان اپنی فطرت سے ایسا کرنے کے لئے مجبور ہے۔ انسان کی فطرت کے اندر یہ اعتقاد ودیعت کیا گیا ہے کہ حقیقتِ کائنات ایک ہے اور ساری کائنات اسی کا مظہر ہے اور خواہ سائنسدان اپنے اس وجدانی اعتقاد کا اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن یہ اعتقاد پھر بھی اس کی فطرت کے جزو لاینفک کے طور پر اس کے لاشعور میں جاگزیں رہتا ہے اور وہ اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب تک حقیقت کائنات کو شعوری یا لاشعوری طور پر ایک نہ مانا جائے سائنسی حقائق کی وحدت کو ماننا ممکن نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت بغیر نظم یا اِتحاد کے نہیں ہوتی اور نظم متحد کرنے والے یا منظّم کرنے والے کسی مرکزی اصول کے بغیر محال ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ جو اُصول تمام سائنسی حقائق کو متحد اور منظّم کرے وہ ان کی جان یا روح یا آخری حقیقت کے طور پر ہو۔ یعنی وہ حقیقت الحقائق یعنی کائنات کی آخری حقیقت ہو اور تمام سائنسی حقائق اس کی تشریح اور تفسیر کے اجزا اور عناصر ہوں اور اس کے ساتھ علمی ربط اور عقلی مطابقت رکھتے ہوں۔ دراصل سائنسی حقائق کے باہمی علمی اور عقلی ربط وضبط کی وجہ یہی ہے کہ وہ سب حقیقتِ کائنات کے ساتھ عقلی اور علمی ربط وضبط رکھتے ہیں۔ سائنسدان کا شعوری یا لاشعوری تصورِ حقیقت ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کے سائنسی نتائج پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے اور چونکہ سائنسی حقائق صرف صحیح تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور کسی غلط تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھ سکتے لہٰذا اگر سائنسدان کا تصور حقیقت درست ہوگا تو اس کی سائنسی تحقیق درست ہوگی اور اس کو درست نتائج تک پہنچائے گی ورنہ جا بجا غلط ہو جائے گی اور آخر کار رک جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت نفسیاتی یا سائنسی علوم کے دائرہ میں جو تصور حقیقت کے ساتھ زیادہ قریب کا تعلق رکھتے ہیں زیادہ شدت سے نمودار ہوگی۔ تصور حقیقت کے غلط ہونے سے سائنس کے غلط ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں سائنسدان غیر شعوری طور پر بعض صحیح سائنسی حقائق کو بدل کر اپنے غلط تصور حقیقت کے مطابق کرتا جاتا ہے اور بعض غلط نام نہاد ''سائنسی حقائق'' کو جو اس کے مطابق ہوں صحیح سمجھ کر قبول کرتا جاتا ہے۔

فلسفہ کا کام یہ ہے کہ وہ آشکار طور پر کسی تصورِ حقیقت کو پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ تمام سائنسی حقائق کی عقلی اور علمی مطابقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فلسفیوں نے صحیح تصورِ حقیقت کے مختلف نظریات قائم کیے ہیں اور قدرتی طور پر ہر فلسفی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تمام سائنسی حقائق صرف اسی کی تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اسی کا تصورِ حقیقت صحیح ہے لیکن چونکہ ایک ہی تصورِ حقیقت تمام سائنسی حقائق کو متحد اور منظّم کر سکتا ہے؛ اس لئے ظاہر ہے کہ درست تصورِ حقیقت صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کا تصورِ حقیقت

روسی اشتراکیوں کے نزدیک یہ تصورِ حقیقت مادہ ہے لیکن مسلمانوں کے نزدیک یہ تصورِ حقیقت خدا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے نزدیک یہی تصورِ حقیقت ہے جس سے تمام سائنسی حقائق مطابقت رکھتے ہیں اور جو تمام سائنسی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے اور ان کی طرف صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔ باقی ہر قسم کے تصوراتِ حقیقت سائنس کی مجموعی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ دراصل ایک ہی تصورِ حقیقت ایسا ہے جو وحدتِ عالم اور وحدتِ علم کی معقول اور قابل قبول تشریح کر سکتا ہے اور وہ مسلمانوں کا تصورِ حقیقت ہے، جس کی رو سے وہ یہ مانتے ہیں کہ سائنسی حقائق اور قوانینِ قدرت کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ وہ کائنات میں خدا کے تخلیقی اور تربیتی اعمال و افعال ہیں اور خدا ایک شخصیت ہے اور شخصیت کا خاصہ ہے کہ اس کا صرف ایک مقصد یا مدعا ہوتا ہے جس کے ماتحت اس کے سارے اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں جہاں بھی ہمیں اعمال و افعال کا ایک منظّم سلسلہ نظر آئے وہاں کسی شخصیت کی کارفرمائی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ فرد انسانی کے اعمال و افعال کے اندر بھی ایک وحدت ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ایک شخصیت ہے اور بیک وقت ہمیشہ ایک مقصد اور مدعا کے ماتحت اپنے سارے کام کرتا ہے۔

چونکہ کائنات کی تخلیق سے خدا کا ایک مقصد ہے؛ لہٰذا خدا کے سارے اعمال و افعال میں جو قوانینِ قدرت یا سائنسی حقائق کی صورت اختیار کرتے ہیں ایک وحدت موجود ہے۔ اس کے برعکس چونکہ قوانینِ قدرت یا کائنات کے اعمال و افعال کے اندر ایک وحدت موجود ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان اعمال و افعال کا باعث کوئی شخصیت ہو جو کائنات کی خالق ہو۔

وحدتِ کائنات سے خدا کے وجود کا قرآنی استشہاد

وحدتِ کائنات کا باعث یہ ہے کہ اس کا کوئی مقصد ہے اور وہ مقصد ایک ہی ہے اور اس کے مقصد کی وحدت کا باعث یہ ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق ایک ہی ہے وحدتِ کائنات پر سائنسدانوں کے غیر شعوری وجدانی اعتقاد کا باعث ان کی فطرت کا یہ مخفی اور غیر شعوری تقاضا ہے کہ وہ کائنات کا ایک مقصد مانیں اور وہ مقصد ایک ہی ہو اور اس کا ایک خالق تسلیم کریں اور وہ خالق ایک ہی ہو۔

قرآنِ حکیم نے کائنات کی وحدت کی طرف پرزور الفاظ میں توجہ دلائی ہے اور اس کو اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق ایک ہی ہے:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ

''اے پیغمبر آپ خدا کی تخلیق میں کوئی فرق نہ دیکھیں گے۔ ذرا نظر دوڑایئے اور کائنات کا مشاہدہ کیجئے کیا آپ کو خدا کی اس تخلیق میں کبھی کوئی دراڑ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نظر دوڑایئے اور دیکھئے۔ نگاہیں مایوس اور درماندہ ہو کر لوٹیں گی کہ خدا کی تخلیق میں کہیں کوئی دراڑ نہیں''۔ (کیا کائنات کی یہ وحدت اس کی مقصدیت کا اور پھر اس کی مقصدیت کسی خالق کائنات کی ہستی اور وحدت کا ثبوت نہیں)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ

''اے پیغمبر کہئے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر کس کی عبادت کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ آیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے''۔

یعنی اگر کائنات کی تخلیق میں خدا کے ساتھ کوئی اور شریک ہوتا تو زمین و آسمان میں کہیں تو اس کی اپنی تخلیق کا کوئی نشان ملتا جہاں جداقسم کے قوانینِ قدرت نافذ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ منکرین قرآن حکیم کے اس سوال کے جواب میں اسی کائنات کا ایک حصہ پیش کر کے معقولیت

کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ حصّہ خدا کے اس شریک نے پیدا کیا ہے جسے ہم مانتے ہیں۔ کیونکہ جب کائنات کے اس حصہ میں بھی قوانین قدرت وہی ہیں جو باقی کائنات میں ہیں تو کس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خالق وہی نہیں جو باقی کائنات کا ہے۔

فلسفہ سائنس کا ہی ایک شعبہ ہے

فلسفہ اور سائنس کے اس باہمی تعلق کی بناء پر ہم فلسفہ کو سائنس سے الگ نہیں کر سکتے۔ جب تک سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے دریافت کیے ہوئے حقائق کی تشریح، توجیہ یا تنظیم کے لئے نظریات قائم کرے فلسفہ اور سائنس میں کوئی واضح امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ صرف یہی کہا جاسکتا کہ فلسفہ پوری کائنات کی سائنسی تحقیق کی وہ چوتھی اور آخری منزل ہے جہاں تمام کائنات کا سائنسی علم، تجربہ اور مشاہدہ اور استنتاج کے تینوں مرحلوں سے گزر کر تنظیم نتائج کے چوتھے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ دراصل جب سائنسی تحقیق اپنی مجموعی حیثیت سے اپنے آخری درجہ پر پہنچتی ہے تو ہم اسے فلسفہ کہتے ہیں۔ (جاری ہے)

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین تاریخی پیشکش.....

تذکرہ وسوانح اور آثار وافکار

محمد منصور الزمان صدیقی

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات:368 ..... قیمت:350 روپے

علمی و دینی، قومی وملّی، تبلیغی واصلاحی، ادبی واشاعتی اور رفاہی خدمات کے حوالے سے ایک بے نام اور گمنام ''بزرگ کارکن'' کی سبق آموز داستانِ حیات۔ جماعتی، اجتماعی، تحریکی، تنظیمی اور اصلاحی اداروں سے وابستہ کارکنوں اور عام افراد کے لیے ایک کامیاب نمونۂ عمل۔

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ (کے پی کے)

FICTION OF THE DAY FACTS OF TOMORROW

آج کا تصور کل کی حقیقت

عبد الرزاق اکوڑہ خٹک

فکر وتصور معلومات کی ترتیب اور ترتیب کے بعد خیالی صورت سازی کا نام ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان نے جو کچھ سوچا اس پر جب عمل کیا، اس کے لئے جدوجہد کا راستہ اختیار کیا تو وہ اس کے ذریعے یا اس کے مابعد آنے والے ہم خیال ہم عصر یا غیر ہم عصر ساتھیوں کے ذریعے حقیقت میں بدل گیا۔ فرانس کے مشہور سائنسدان اور سرجن مارس پیونجیل نے اپنی کتاب THE BIBLE QURAN & SCIENCE میں بتایا ہے کہ قرآنِ کریم نے انسانوں کو سائنس سمجھنے اور اس کی آبیاری کی ہدایت فرمائی ہیں جبکہ یہودی تاریخ اور عیسائیت کا پرانا معاشرہ سائنٹفک سوسائٹی کے برعکس چلتا محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم سیرت کو دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ انسانوں میں سے پہلے حقیقی تصور کا خاکہ مسلمانوں نے پیش کیا۔ پہلی مسلم سرجن حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کی سوچ غالباً یہ رہی ہوگی کہ زخم کے اندمال کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے زخم پر مرہم پٹی کو سامنے لایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا۔

اگر ہم دیکھیں تو انسانی تاریخ اس بارے میں شاہد ہے کہ انسان STONE AGE (حجری زمانے) میں کافی سادہ تھا۔ تاہم اس کی سوچ بلند تھی، اس کا تصور عظیم تھا۔ وہ ہر بڑی چیز سے خائف تھا، آندھی طوفان اس کی راہ میں رُکاوٹ تھے، وہ ستاروں سے مرعوب تھا، بلند و بالا ایستادہ پہاڑوں سے خائف تھا، سنگلاخ پتھروں پر چلنا اس کے بس سے باہر تھا، وہ بڑے درختوں

کو مقدس سمجھتا تھا، سانپ شیر اور جنگلی حشرات سے بچنے کے لیے ہمہ وقت سوچتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ بالآخر اس نے پہاڑوں میں غار دریافت کیے اور اس میں رہن سہن شروع کیا پھر پہاڑ میں حیوانات سے بچنے کے لیے تگ ودو کی تو اس کو نئے نئے خیال آتے رہے۔ اس نے بڑے سل غار کے منہ میں رکھے، باڑھ بنائے، رفتہ رفتہ اس نے باہر آنا شروع کیا اور لباس کے بارے میں سوچنا شروع کیا (یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا) یہ قدرت کا ردِعمل ہے۔ سب سے پہلا انسان ہے حضرت آدم علیہ السلام جو فطرت کے ماڈل تھے، مہذب ترین انسان، اُنہوں نے سب سے پہلے لباس سازی کی مشین استعمال کی (اَوَّلُ مَنۡ حَاكَ آدَم علیہ السلام) (دیلمی عن انس) چنانچہ آج بھی انسان لباس پہنتا ہے، خوراک کا تصور آیا تو اچھے اچھے طعام کھانے کے لیے سامنے آئے۔ سواری کا بندوبست بھی ہوا (وَّالۡخَیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡهَا وَزِیۡنَةً وَیَخۡلُقُ مَا لَاتَعۡلَمُوۡنَ) گدھے، گھوڑے، خچر سب انسان کی سواری اور زینت کے سامان لائے گئے۔ پہاڑوں کے بعد دریاؤں اور سمندروں پر سوچ کی کمندیں ڈالیں تو کشتی سازی کی بات وحی ہوئی۔ (وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا) پھر تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت اُبھر کر آئے گی کہ انسان کو پہیے کی ضرورت ہے، تصور میں خاکے آئے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو وحی بھیجی اور پہیہ ایجاد ہوا۔ آج ساری مشینیں اس پر کام کر رہی ہیں۔ ایک ایسی مشین جو پہیے کے بغیر کام کرے تو وہ حیوانات کے اجسام ہیں جن میں لہریں اور سرکٹس کام کرتے ہیں۔ اب اس پر بھی کام ہو چکا ہے۔ (اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی) جب ایک چیز پیدا ہوئی تو پیدائش بھی اس کی عنایت ہے اور جب آگے کچھ ہوگا یا بنائے گا تو بھی اُس کی مہربانی ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے کہ چاہت اور تخلیق انسان کی مہمانی کے لیے ہے۔ (وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ) یہ جنت میں ہے۔ تاہم یہ دنیا بھی اُس دنیا کا کچھ نہ کچھ پیش خیمہ یا عکس ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی اس کا اثر ہے۔ چنانچہ (یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَایَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ) چنانچہ ثابت ہوا کہ انسانی سوچ قدرتی تخلیق سے پہلے ممکن ہے۔ انسان کو یہ دنیا نسبتی حالت سے متاثر نظر آئی تو واقعہ معراج کو بنیاد بنا کر عیسوی صدی کے سائنسدان مسٹر آئن سٹائن نے نظریہ اضافیت

(RELATIVITY THEORY) پیش کیا اور دنیا کو حیران کیا۔ انسان نے پرندوں کو دیکھا تو ہوا کے دوش پر اُڑان کے مختلف مظاہر پیش کئے۔ بیلون، چھتریاں، محدود جہاز اور آج بین الاقوامی سفروں کو طے کرنے والے جہاز بن گئے۔ انسان کا تصور تھا کہ آواز دور سے سنی جائے تو لاؤڈ سپیکر بنا۔ یہ سوچ کر بہت دور سنی جائے تو وائرلیس اور موبائل ہے۔ تصور بھی سامنے ہو تو ٹی وی بنا اور باہمی گفتگو بھی ہو تو انٹرنیٹ سامنے آیا۔ حسین چاند پر تصوراتی پروگرام انگریزی فلموں اور کارٹونوں میں پیش ہوئے۔ بعد میں نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر پہلا قدم رکھا۔ اب کوئلے سے توانائی محدود نظر آئی تو ایٹم کے مرکز کو توڑ کر توانائی کے بڑے سمندر دریافت ہوئے (والشَّمس وضُحٰھَا) پر غور ہوا تو SOLAR ENERGY سامنے آئی۔ ہوا کو مسخر کیا تو پون چکیاں بنیں۔ دریاؤں پر تصوراتی لہریں ڈالیں تو ڈیم بنے۔ آج بھی مشہور ہے کہ توانائی کے ذخائر ختم ہو رہے ہیں۔ پٹرول صدی کے وسط میں خاتمہ کے قریب ہو جائے گا۔ فلاں فلاں ممالک دریا برد ہو جائیں گے۔ تیسری عالمی جنگ کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی۔ انسان ختم ہو رہا ہے اگر سوچ بدل دی جائے تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ دنیا میں وسائل کی کمی نہیں۔ فضاؤں میں ہزاروں میلوں تک ہیلیم اور دیگر گیسیں ہیں۔ ذرا انسان سوچے تو ایڈز کا علاج بھی آسان تر اور کینسر کا علاج بھی ممکن۔ مگر تصور نہیں۔ اگر ہم صرف سوچیں کہ دنیا میں امن ممکن ہے تو بہت آسان ہے۔ تصور حقیقت سے پہلے آتا ہے ہم گملے میں ایک تصوراتی پھول کھلتے دیکھ سکتے ہیں تو چند دنوں کے انتظار کے بعد وہ حقیقت میں گملے کی زینت بن جاتا ہے۔ پلاسٹک سے ہزاروں اشیاء بنیں تو پلاسٹک ختم ہوا۔ تصور ہوا تو پلاسٹک ہزاروں چیزوں سے بنایا گیا۔ جس طرح ایک ماہر انجینئر کے ذہن میں سب سے پہلے تصوراتی خاکہ آتا ہے پھر یہ خاکہ کاغذ کے چہرے پر منتقل ہوتا ہے اور پھر زمین کے سینے پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ آج کل PARCLE کے فیکس کے بارے میں بھی تصور ہو رہا ہے کہ کیسے گرم گرم کباب تخت بھائی سے لندن تک فیکس کے ذریعے پہنچا دیے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ سورۂ نمل میں اس کا اصل موجود ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ فلما راٰہ مستقرا عندہ۔ آصف برخیا رضی اللہ عنہ نے اسم اعظم پڑھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصوراتی خواہش کو پورا کیا اور ملکہ بلقیس کے 15 سو میل دور کے تخت کو پلک جھپکنے میں حاضر کیا۔

مولا کریم نے انسانی ذہن کو علم و حکمت کی بے پایاں صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ قرآن کریم نے بار بار انسان کو کائنات پر غور و تدبر کرنے اور اس کی وسعتوں اور طاقتوں کو اپنا مطیع بنانے پر زور دیا۔ انسان اشرف المخلوقات اور احسن تقویم ہے۔ وہ ایام اور کائنات کا مرکب نہیں راکب ہے یہ دنیا اس کے لئے ہے، وہ دنیا کے لئے نہیں ہے اور سائنس نام ہے اسی تدبر، مشاہدے اور نتیجے کا اگر انسان مولا کریم کی عطا کردہ ذہنی استعداد، خیالات اور تصورات کو بروئے کار نہ لاتے تو آج پہاڑوں کے غار اس کا نشیمن، جانور اس کی خوراک اور درختوں کے پتے اس کا پیرہن ہوتے۔ آج کا انسان ہواؤں کے دوش پر سوار، چاند کی دنیا میں گامزن اور ستاروں کی محفلوں میں خیمہ زن ہے یہ انسان کے وہ تصورات ہیں جو ان کی ضرورتوں نے جنم لیے یا انسان نے اپنی آسائش و آرام کی خاطر ان اشیاء کو سوچا جس کا تصور پچھلے زمانے کے لوگ صرف خوابوں میں کرتے تھے اور آج ان کے وہی خیالات، تصورات اور ذہنی اختراعات منصۂ شہود پر ہے۔

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

اللہ کریم نے انسان کو جستجو و تلاش کا جذبہ ودیعت کیا ہے اور قرآن نے مختلف صیغوں سے تقریباً 565 مرتبہ کائنات کے رموز، فکر و سوچ کی جلا، عقل استعمال کرنے کا تکرار کیا ہے۔ کبھی افلا تبصرون تو کبھی افلا یعقلون کبھی افلا یتدبرون کبھی تو بہت سخت لہجے میں فرمایا ام علی قلوب اقفالھا کیا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں، جو نہیں سوچتے؟۔ اس دنیا کے خزانوں کی تلاش کا تذکرہ قرآن نے بار بار کیا کیونکہ جب یہ بندۂ خاکی اپنے نفس اور کائنات کے ہر مظہر پر غور کرتا ہے تو وہ اللہ اور اپنے ربّ کے قریب تر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سوچ اسے ربّ کائنات کا تعارف کرا دیتی ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

کائنات کی ہر شے اپنے اندر حقائق و معارف کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے، ذرے سے لے کر آفتاب تک ایسی سچائیاں بکھری ہوئی ہیں جو ایک سلیم الفطرت انسان کو رب کے قریب تر کر دیتی ہے۔ قرآن سائنس کی کتاب نہیں مگر قرآن نے سائنسی مضامین کا بھی احاطہ کیا ہوا ہے۔

یہ وہ تصورات اور خیالات ہیں جو 1400 سال بعد حقیقت میں بدل گئے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں قرآن میں الفاظ و آواز کی ریکارڈنگ کے بارے میں آج سے 1400 سال قبل ذکر کیا گیا تھا۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْد ۔ مگر آج انسانی ذہن، عروج وارتقا کے ان مراحل میں ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ارتقا اپنے کمال کو پار رہا ہے۔ انسان کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات ریکارڈ ہو جاتی ہے اور وہ اس بات کو جب چاہے سن سکتا ہے ہم جانتے ہیں کہ جب کوئی شخص بولنے کیلئے اپنی زبان کو حرکت دیتا ہے تو اس حرکت سے ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں جس طرح ساکن پانی میں پتھر پھینکنے سے لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہی لہریں ہیں جو آواز کی صورت میں ہمارے کان کے پردے سے ٹکراتی ہیں اور کان کے آلات انہیں اخذ کر کے ان کو ہمارے دماغ تک پہنچا دیتے ہیں ان لہروں کے سلسلے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پیدا ہونے کے بعد مستقل طور پر فضا میں رہتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ کسی بھی وقت انہیں دہرایا جا سکے۔ اگرچہ سائنس ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہے کہ ان آوازوں یا صحیح تر الفاظ میں ان لہروں کو گرفت کر سکے جو قدیم ترین زمانے سے فضا میں حرکت کر رہی ہے۔ الغرض ہر حال میں ایک کائناتی انتظام کے تحت اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مکمل ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے اور یہی ریکارڈ آخرت کی عدالت میں حساب کے لیے پیش ہوگا۔

اسی طرح جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ہر چیز خواہ وہ اندھیرے میں ہو یا اُجالے میں ٹھہری ہوئی ہو یا حرکت کر رہی ہو وہ جہاں ہو جس حالت میں ہو اپنے اندر سے مسلسل حرارت خارج کرتی رہتی ہے یہ حرارت چیزوں کے ابعاد و اشکال کے اعتبار سے اس طرح نکلتی ہے کہ بعینہٖ اس کا چیز کا عکس ہوتی ہے جس سے وہ نکلی ہے۔ انسان کا ہر عمل کائنات کے پردہ پر نقش ہو رہا ہے۔ قرآن نے اس سائنس کے اُصول کا تصور پہلے ہی سے دے دیا ہے۔

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا

یہ کیسا دفتر ہے جس نے میرا چھوٹا بڑا کوئی کام درج کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

اسی وجہ سے ہر سائنسدان دعویٰ کر رہے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہم دنیا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری خطبہ سنانے کی صلاحیت حاصل کر لیں گے، جو فضا میں موجوں کی

صورت میں موجود ہے۔

انسانی ذہن کے عروج فکر نے رسل و رسائل کے ذرائع اس قدر آسان کر دیے کہ مہینوں کا سفر منٹوں میں طے ہونے لگا۔ آج کے مسافر کو نہ راستے کی صعوبتوں کا کوئی خوف ہے اور نہ زادِراہ کا کوئی اندیشہ، ہوائی جہاز نے کائنات کے وسعتوں کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے خلائی شٹل کے ذریعے انسان نے چاند اور مریخ پر کمند ڈالی۔ انہی راکٹوں اور خلا کے بارے میں سب سے پہلے تصور قرآن نے دیا۔

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ

سلطن ،سلطة سے ماخوذ ہے اور سلطۃ تیر کو کہا جاتا ہے۔ گویا جنات اور انسان کے گروہ کو اللہ نے دعوت دی کہ اگر دنیا سے نکلنا ہے تو تیر کی طرح کوئی چیز بنالو اسی کے ذریعے ہی آپ اس زمین سے نکل سکتے ہو اور آج کے راکٹ اس کی مصداق ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن نے مزید یہ تصور بھی دیا ہے کہ خلا سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے مرکب کی رفتار بہت زیادہ ہو ورنہ کشش ثقل کی وجہ سے اس کو آگ لگ سکتی ہے اور آپ کبھی بھی اس زمین سے نہ نکل پائے گے۔

یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ

اس قرآن کے دیے گئے تصور کو لے کر سائنسدانوں نے خلانوردوں کے لیے راکٹ کی ایجاد کی اور اس کی رفتار بہت تیز کر دی جو تقریباً 12000 کلومیٹر فی گھنٹہ (اپالو II) ہے۔

انسان عقلی اور فنی نقطہ نظر سے اپنے کمال کو چھولے اور فخر و حیرت کے مقام پر پہنچ جائے کہ آئینے میں اپنے ہی جمال کی خورشید آفرینوں کو دیکھ کر خود ہی اسے چومنے بھی لگ جائے تو عرفانِ حکمت کا یہی وہ مقام ہے جو اس فخر و انبساط کو عجز و انکسار میں بدل دیتا ہے اور انسان اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتا ہے۔

قرآن ایک مکمل کتاب ہے زندگی کے ہر موڑ اور ہر منزل کے لیے اس میں ایسے واضح احکام موجود ہیں کہ ان میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت ہے نہ اضافے کی۔ کیونکہ وہ مکمل اور اکمل ہیں۔ انسان کی خلقت اور ازل سے لے کر موت اور ابد تک کی زندگی کے بارے میں قرآن کے

واضح تصور پیش کیا ہے جس پر چل کر سائنسدانوں نے اس وقت کے تصورات کو اور خیالی دنیا کو آج کے دور کی حقیقتوں میں بدل دیا ہے۔ 1400 سال پہلے دیے گئے قرآن تصورات (انسان ذہن کے لحاظ سے) اور خیال دنیا کی باتیں جس کو آج ہم حقیقت میں دیکھ سکتے ہیں۔ انسانی خلقت کی ابتداء کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (سورۃ المومنون)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام (رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزا کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک ہی طرح مخلوق بنا دیا۔

یہ بات جدید ترین طبی تحقیقات کے مطالعے سے بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ سکلر وٹوم (ہڈیوں کا نظام) مائیوٹوم (پٹھوں کا نظام) سے پہلے معرض وجود میں آتا ہے، جس کا تصور ابتدائی طور پر قرآن نے دیا۔

قانون بقائے مادہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا اور اس نے ہر موجود چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ

''اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں بعض تو وہ جانور ہیں جو کہ اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ بعض ان میں وہ ہیں جو کہ دو پاؤں سے چلتے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو کہ چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے بناتا ہے۔''

معجزات سلیمانی اور سائنس فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (ہم نے ہوا کو ان

کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے چلے) معجزاتِ سلیمانی کو اکثر طور پر ایک عقل سے ماورا چیز تصور کیا جاتا تھا مگر آج اس تصور کو حقیقت میں (HARP) ٹیکنالوجی نے بدل دیا کہ HARP سے کسی بھی علاقے کی آب و ہوا کو بدلا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی جگہ پر پانی سے مصنوعی سیلاب لایا جا سکتا ہے۔

کسی علاقے کو گرم کر کے آگ لگائی جا سکتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ حالیہ سیلاب اور ماسکو میں جنگلاب کے چلنے کا عمل دراصل ان HARP ٹیکنالوجی کا نمونہ ہے اور آج کل تمام یورپین ممالک اور ترقی یافتہ ممالک اس ٹیکنالوجی کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ HARP دراصل HIGH APPLITUDE RECTIFIER POWER کا مخفف ہے۔ SURFACE TENTION (سطحی تناؤ) کا قرآنی تصور جو آج ایک حقیقت ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (الرحمٰن)

''اس نے چلائے دو دریا ملتے ہوئے، دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔''

قرآن مجید نے بہت سے سائنسی اُصولوں اور موضوعات کا تصور چودہ سو سال قبل پیش کیا تھا جو آج کے دور کی حقیقت اور معرکہ آرا مضامین ہیں قرآن نے ابتدائی طور پر ان موضوعات کا ٹھیک ٹھیک تصور پیش کیا اس کا تذکرہ کیا اور ان کی تشریح کی مثلاً : علم کائنات (COSMLOGY) فلکیات (ASTRONOMY) علم الاعضا (ANOTOMY) ارضیات (GEOLOGY) معدنیات (MINEROLOGY) زراعت (AGRICULTURE) زندگی کی ساخت اور نوعیت، مچھر، ٹڈیاں، چیونٹیاں، مکھیاں (علم الحشرات) آج کی جدید سائنس اور ٹیکنالوجی جس سائنس پر مغرور ہے۔ وہ دراصل قرآن و حدیث کے دیے گئے تصورات کا ہی مرہونِ منّت ہے۔ ایسے ہزار تصورات قرآن و حدیث نے پیش کیے ہیں، جس کو آج کی سائنس نے حقیقت میں بدل دیا ہے ایسے تصورات کا احاطہ محدود الفاظ کے مضمون میں نامکمل ہے۔

تنسیخ خلافت

28رجب1342ھ(3مارچ1924ء)

اوراس کا ردِّعمل

1969ء_2013ء

(گزشتہ سے پیوستہ)

انجینئر مختار فاروقی

● ملائشیا میں اپریل 1969ء میں اسلامی کانفرنس میں منظور شدہ قرارداد کہ ''اس کانفرنس کے بعد ایک اور اسلامی سربراہی کانفرنس بلائی جائے جو مسلمان ممالک کو درپیش سیاسی مسائل، خاص طور پر یروشلم اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے مسئلے پر بحث کرے'' کے مطابق جلد ہی ایک عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آ گیا۔

● پہلی عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس کے لئے رابطے اور تیاری کا کام جاری تھا کہ اگست 1969ء میں یروشلم میں یہود کی طرف مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کا واقعہ ہو گیا۔ جس سے عالم اسلام میں ایک شدید غیض وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور مسلمان حکمرانوں کو بھی مل کر باہمی مشاورت کرنے کا شدید احساس پیدا ہوا چنانچہ تیزی سے انتظامات کو حتمی شکل دے دی گئی۔ 12 رجب 1389ھ (25 ستمبر 1969ء) کو مراکش کے شہر رباط میں پہلی عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آ گیا۔

● اس کانفرنس کے کامیاب انعقاد سے مسلم ممالک کے حکومتی سطح پر کسی مضبوط اتحاد کی راہ ہموار ہوگئی۔ مسجد اقصیٰ کے واقعہ کے حوالہ سے بھی تفصیلی گفتگو ہوئی اور اسرائیل اور مغربی ممالک کو 'مسلم اتحاد' کا ایک اچھا پیغام مل گیا۔

- اس کانفرنس کے چھ ماہ بعد محرم 1390ھ (مارچ 1970ء) میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی ایک کانفرنس جدہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے جدہ میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے مستقل جنرل سیکرٹریٹ کے قیام کی منظوری دے دی جس سے اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC) کے سرگرم ہونے کا راستہ کھل گیا۔ اس کانفرنس نے ایک مستقل سیکرٹری جنرل کا تقرر بھی کر دیا جس سے ادارہ کے کام کو منظّم کرنے اور فعال بنانے کی بنیادی ضروریات فراہم ہو گئیں۔
- پہلی رباط کانفرنس کے اڑھائی سال بعد محرم 1372ھ (فروری 1972ء) میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کا تیسرا اجلاس ہوا، جس میں اجلاس نے 'اسلامی ممالک کی تنظیم' کے لئے اغراض و مقاصد (CHARTER) کی منظوری دے دی جس کے تحت اس تنظیم کے مقاصد مسلم ممالک کے درمیان بھائی چارہ اور باہمی تعاون کو فروغ دینا جو سیاسی، اقتصادی، ثقافتی سائنسی اور معاشرتی شعبوں میں پھیلا ہوا ہو۔
- جولائی 2008ء تک اس تنظیم کے 57 ممالک ممبر بن چکے ہیں۔ عام استفادہ کے لئے ان کے نام اور آبادی ذیل میں دی جا رہی ہے۔ اس وقت تک ان ممالک کی کل آبادی 1.40 ارب نفوس پر مشتمل تھی جو 2011 تک 1.60 ارب ہو چکی ہے۔

نمبر شمار	نام ملک	آبادی
01	انڈونیشیا	231,627,000
02	پاکستان	163,707,000
03	بنگلہ دیش	158,665,000
04	نائجیریا	148,093,000
05	مصر	75,498,000
06	ترکی	71,751,100
07	ایران	70,495,782
08	الجیریا	33,858,000
09	مراکش	31,224,000
10	سوڈان	30,894,000

11	یوگنڈا	30,884,000
12	عراق	28,993,000
13	ازبکستان	27,372,000
14	ملائشیا	27,170,000
15	افغانستان	27,145,000
16	سعودی عرب	24,735,000
17	یمن	22,389,000
18	موزمبیق	21,397,000
19	شام	19,929,000
20	ایوری کوسٹ	19,262,000
21	کیمرون	18,549,000
22	قازقستان	15,422,000
23	برکینافاسو	14,784,000
24	نائیجیر	14,226,000
25	سنی گال	12,379,000
26	مالی	12,337,000
27	چاڈ	10,781,000
28	تیونس	10,327,000
29	گنی	9,370,000
30	بینن	9,033,000
31	صومالیہ	8,699,000
32	آزربائجان	8,467,000
33	تاجکستان	6,736,000
34	ٹوگو	6,585,000
35	لیبیا	6,160,000

36	اردن	5,924,000
37	سیری لون	5,866,000
38	کرغستان	5,317,000
39	ترکمانستان	4,965,000
40	متحدہ عرب امارات	4,380,000
41	لبنان	4,099,000
42	فلسطین علاقہ	4,017,000
43	البانیہ	3,190,000
44	مریطانیہ	3,124,000
45	کویت	2,851,000
46	عمان	2,595,000
47	گیمبیا	1,709,000
48	گنی بساؤ	1,695,000
49	گیبون	1,331,000
50	قطر	841,000
51	ڈجبوٹی	833,000
52	بحرین	760,168
53	گھانا	738,000
54	کیمروس	682,000
55	سرینام Suriname	458,000
56	برونائی	390,000
57	مالدیپ	306,000
	کل آبادی	1,465,753,050

اسلامی سربراہی کانفرنس کا
لاہور میں پنجاب اسمبلی ہال
اور واپڈا ہاؤس کے قریب
یادگار مینار

نام کی تبدیلی

OIC کے تحت وزرائے خارجہ کے 38 واں اجلاس منعقدہ جون 2011ء میں اس ادارے کا نام اور نشان (LOGO) تبدیل کردیا ہے پہلے یہ ORGANISATION OF ISLAMIC CONFERENCE تھا جس کا مخفف "OIC" بنتا ہے۔اب اس کا نام

ORGANISATION OF ISLAMIC COOPERATION

رکھ دیا ہے جو زیادہ بامعنی ہے۔دونوں ناموں کا مخفف "OIC" ہی بنتا ہے۔
اسی طرح ادارے کا نشان بھی تبدیل کردیا گیا ہے جواب یہ ہے

OIC نے اب تک بہت سے عالمی مسائل پر توجہ دی ہے اور مسلم ممالک کو درپیش مسائل کو سلجھانے کی کوششیں کی ہیں۔اس میں توہین رسالت پر مبنی کارٹونوں کا مسئلہ، UNO کے تحت انسانی حقوق (HUMAN RIGHTS) کا مسئلہ، UNO کے تحت LGBT کا مسئلہ (جس کی وجہ سے UNO میں مسلم ممالک نے اس کے حق میں ووٹ دینے سے انکار کردیا) دہشت گردی (TERRORISM) کا مسئلہ (جس میں UNO پوری دنیا میں

حقوق انسانی اور TERRORISM کی نئی جدید صہیونی نظریات کی عکاس تعریف (PRO ZIONS DEFINATION) پر سب ممالک کی مہر تصدیق ثبت کروانا چاہتی تھی مگر مسلم ممالک کے ڈٹ جانے کی وجہ اب تک متفقہ تعریف کا اعلان نہیں کیا جاسکا) تھائی لینڈ میں مسلم اقلیت کے حقوق کے مسئلہ اور بھارت میں مسلم اقلیت کی حق تلفی کے مسائل شامل ہیں۔

- OIC کے اب تک 9 سیکرٹری جنرل آچکے ہیں جو یہ ہیں:

نمبر شمار	نام	رہائشی ملک	آغاز دفتر	اختتام دفتر
1	تنکوعبدالرحمٰن	ملائشیا	1971	1974
2	حسن التہامی	مصر	1974	1975
3	آمادوکریم گایا	سینی گال	1975	1979
4	حبیب چٹی	تیونس	1979	1984
5	سید شریف الدین پیرزادہ	پاکستان	1984	1988
6	حامدالغابد	نائجیر	1988	1996
7	عزیدالدین لراکی	مراکش	1996	2000
8	عبدالاحد بلقیز ز	مراکش	2000	2004
9	اکمل الدین احسانگو	ترکی	2004	2014

- اب تک OIC کے تحت سربراہان مملکت کے 12 معمول کے اجلاس منعقد ہو چکے ہیں

نمبر شمار	تاریخ	ملک	جگہ
پہلا اجلاس	22 تا 25 ستمبر 1969ء	مراکش	رباط
دوسرا اجلاس	22 تا 24 فروری 1974ء	پاکستان	لاہور
تیسرا اجلاس	25 تا 29 جنوری 1981ء	سعودی عرب	مکہ اور طائف
چوتھا اجلاس	16 تا 19 جنوری 1984ء	مراکش	کاسابلانکا
پانچواں اجلاس	26 تا 29 جنوری 1987ء	کویت	کویت سٹی
چھٹا اجلاس	9 تا 11 دسمبر 1991ء	سینی گال	ڈکار

ساتواں اجلاس	13 تا 15 دسمبر 1994ء	مراکش	کاسابلانکا
آٹھواں اجلاس	9 تا 11 دسمبر 1997ء	ایران	تہران
نواں اجلاس	12 تا 13 نومبر 2000ء	قطر	دوحہ
دسواں اجلاس	16 تا 17 اکتوبر 2003ء	ملائیشیا	پتری جایا
گیارھواں اجلاس	13 تا 14 مارچ 2008ء	سینی گال	ڈکار
بارھواں اجلاس	6 تا 7 فروری 2013ء	مصر	قاہرہ

- اس کے علاوہ OIC کے تحت اب تک سربراہانِ ممالک کے 4 غیر معمولی اور ہنگامی نوعیت کے اجلاس بھی منعقد ہو چکے ہیں۔

نمبر شمار	تاریخ	ملک	جگہ
پہلا غیر معمولی اجلاس	24-23 مارچ 1997	پاکستان	اسلام آباد
دوسرا غیر معمولی اجلاس	5-4 مارچ 2003	قطر	دوحہ
تیسرا غیر معمولی اجلاس	8-7 دسمبر 2005	سعودی عرب	مکہ
چوتھا غیر معمولی اجلاس	15-14 اگست 2012	سعودی عرب	مکہ

- OIC کے ماتحت کئی ادارے کام کر رہے ہیں جس سے مسلم ممالک کی بہبود اور سماجی رابطے کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔

SUBSIDIARY ORGANISATIONS

✶ The Statistical, Economic and Social Research and Training Centre for Islamic Countries (SESRIC), located in Ankara,Turkey.

✶ The Research Centre for Islamic History, Art and Culture (IRCICA), located in Istanbul, Turkey.

✶ The Islamic University of Technology, located in Dhaka, Bangladesh.

✶ The Islamic Centre for the Development of Trade, located in Casablanca, Morocco.

✶ The Islamic Fiqh Academy, located in Jeddah, Saudi Arabia.

✶ The Islamsate Islamic network, located at Riyadh, Saudi rabia

and Pakistan.

✶ The Executive Bureau of the Islamic Solidarity Fund and its Waqf, located in Jeddah, Saudi Arabia.

✶ The Islamic University in Niger, located in Say, Niger.

✶ The Islamic University in Uganda, located in Mbale, Uganda.

- چند ادارے خصوصی طور پر قائم کیے ہیں:

SPECIALISED INSTITUTIONS

✶ The Islamic Educational, Scientific and Cultural Organisation (ISESCO), located in Rabat, Morocco.

✶ The Islamic States Broadcasting Organisation (ISBO) and the International Islamic News Agency (IINA), located in Jeddah, Saudi Arabia.

- عالمی سطح پر مسلم ممالک کے کئی ادارے اغراض و مقاصد کے اشتراک کے وجہ سے OIC سے منسلک کر لئے گئے ہیں۔ان کے نام یہ ہیں:

AFFILIATED INSTITUTIONS

✶ Islamic Chamber of Commerce and Industry (ICCI), located in Karachi, Pakistan.

✶ World Islamic Economic Forum (WIEF), located in Kuala Lumpur, Malaysia]].

✶ Organisation of Islamic Capitals and Cities (OICC), located in Jeddah, Saudi Arabia.

✶ Sports Federation of Islamic Solidarity Games, located in Riyadh, Saudi Arabia.

✶ Islamic Committee of the International Crescent (ICIC), located in Benghazi, Libya.

✶ Islamic Shipowners Association (ISA), located in Jeddah, Saudi Arabia.

✶ World Federation of International Arab-Islamic Schools,

locatedin Jeddah, Saudi Arabia.

✶ International Association of Islamic Banks (IAIB), located in Jeddah, Saudi Arabia.

✶ Islamic Conference Youth Forum for Dialogue and Cooperation(ICYF-DC), located in Istanbul, Turkey.

✶ General Council for Islamic Banks and Financial Institutions (CIBAFI), located in Manama, Bahrain.

✶ Standards and Metrology Institute for Islamic Countries (SMIIC),located in Istanbul, Turkey.

OIC کی کامیابیاں

The flag of the OIC (shown above) contains three main elements that reflect its vision and mission as incorporated in its new Charter. These elements are: the Ka'bah, the Globe, and the Crescent.

On 5 August 1990, 45 foreign ministers of the OIC adopted the Cairo Declaration on Human Rights in Islam to serve as a guidance for the member states in the matters of human rights in as much as they are compatible with the Sharia, or Quranic Law.

In June 2008, the OIC conducted a formal revision of its charter. The revised charter set out to promote human rights, fundamental freedoms, and good governance in all member states. The revisions also removed any mention of the Cairo Declaration on Human Rights in Islam. Within the revised charter, the OIC has chosen to support the Universal Declaration of Human Rights and international law.

On 24 February 2009, the International Zakat Organization, in cooperation with the Organisation of the Islamic Conferences, announced the selection of the BMB Group to head up the management of the Global Zakat and Charity Fund, with its CEO Rayo Withanage becoming the

co-chairman of the zakat fund. The fund is expected to contain al most US$650 million in 2010.

ترجمہ

'او آئی سی' کا جھنڈا (جو اوپر دکھایا گیا ہے) بنیادی طور پر تین اجزا پر مشتمل ہے جو کہ اس کے ویژن اور مشن کو ظاہر کرتا ہے جو کہ اس کے نئے چارٹر میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ اجزاء ''خانہ کعبہ، پوری دنیا اور ہلال'' ہیں۔

5 اگست 1990ء کو 'او آئی سی' کے 45 وزرائے خارجہ نے 'اسلام میں انسانی حقوق' کے قاہرہ اعلامیہ کو اختیار کیا تا کہ اس سے OIC کے ممبر ممالک کے لئے انسانی حقوق کے معاملات میں شریعت اور قرآنی قانون کے اندر رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

جون 2008ء میں OIC نے اپنے منشور پر نظر ثانی کی۔ نظر ثانی شدہ منشور OIC کے ممبر ممالک میں انسانی حقوق، بنیادی آزادی اور اچھی حکومت پر زور دیتا ہے۔ منشور میں تبدیلی نے 'اسلام میں انسانی حقوق کے اعلامیہ قاہرہ' کا ذکر بالکل ختم کر دیا ہے تبدیلی شدہ منشور OIC نے انسانی حقوق کے عالمی منشور اور بین الاقوامی قانون کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔

24 فروری 2009ء عالمی زکوٰۃ تنظیم نے OIC کے تعاون سے عالمی زکوٰۃ اور خیرات فنڈ کی انتظامیہ کی سربراہی کے طور پر BMB گروپ کو چنا ہے اور اس کے CEO راؤ وتھا یخ آپ زکوٰۃ فنڈ کے چیئرمین بن گئے ہیں۔ یہ تقریباً 650 ملین ڈالر پر مشتمل ہوگا۔

(یہ معلومات OIC کی معلوماتی سائٹ پر موجود ہیں)

OIC سیکرٹریٹ جدہ (مجوزہ فوٹو) (جاری ہے)

مدیر کے نام

ساجد محمود مسلم۔ پرنسل اسلامک سائنٹفک سکول جھنگ

'حکمت بالغہ' کے شمارہ فروری 2013ء میں آپ کا پر مغز مضمون بعنوان ''ختم نبوت'' مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اکثر حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اہم دینی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں اور مذکورہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔

ختم نبوت کا موضوع ایسا ہی ہے کہ اس کے لئے تمام اہل ایمان کے دل عقیدت سے لبریز ہو جاتے ہیں تاہم اس مضمون میں آپ نے روایتی طرزِ استدلال کی بجائے عقلی و منطقی انداز میں ضرورت نبوت و رسالت، ہدایت ربانی کی اہمیت اور ختم نبوت کی حکمت بیان کرنے کی کامیاب سعی کی ہے جس کے لیے آپ قارئین کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

آپ نے بجا طور پر مدلل بحث کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ مغضوب علیھم قوم یہود کے جرمِ عظیم قتل انبیاء علیہم السلام اور جھوٹے نبیوں کے ظہور کے پیچھے ایک ہی ذہن کارفرما ہے اور وہ ہے آسمانی ہدایت سے انحراف اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا انکار۔ آپ نے بجا طور پر واضح کیا ہے کہ عصر حاضر میں 'قرآن جلاؤ' تحریک اور توہین رسالت کے پے بہ پے واقعات کی محرک صہیونی قوتیں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہیں مگر بالآخر صہیونیت کی شکست یقینی ہے اور دین حق کا اظہارِ عام قریب ہے۔ ان شاء اللہ

میجر(ر) فتح محمد۔ سرگودھا

رحمت عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ کی رہنمائی میں صحرائے عرب سے اسلام کا چشمہ پھوٹا اور وہ ریگزار جنہیں صدیوں سے کسی سیاح کے لئے قابل توجہ نہ سمجھا جاتا تھا زمانے بھر کی نگاہوں کا مرکز بن گئے اور تاریکی میں بھٹکنے والی انسانیت جس آخری آفتاب ہدایت کی منتظر تھی وہ فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔ ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپ نے اپنے جریدہ حکمت بالغہ فروری13ء کے شمارہ میں ''ختم نبوت ـــــ آسمانی ہدایت، قتل انبیاء علیہم السلام، جھوٹے مدعیان نبوت کے تناظر میں'' کے عنوان سے جو ایک تفصیلی آرٹیکل لکھا ہے وہ جدید تعلیم یافتہ خواتین وحضرات کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ نے اپنے تفصیلی مضمون میں ختم نبوت کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت کا ثبوت دیا ہے، تاریخ انسانی اور قدیم مذاہب کے بارے میں سیر حاصل معلومات مہیا کی ہیں اور آسمانی وحی اور اس کا انبیاء پر نزول اور انبیاء علیہم السلام کے طرزِ عمل کے بارے میں قارئین کو کما حقہٗ آگاہ کیا ہے۔ موجودہ دور کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ چونکہ سائنسی ثبوت کا متلاشی ہوتا ہے لہٰذا آپ نے سائنسی نکتہ نظر سے ''انسانیت بلوغت کی طرف'' کے عنوان سے رہنمائی مہیا کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ دیگر انسانی ضروریات کی طرح ہدایت بھی ناگزیر ضرورت ہے اور یہ بنی نوع انسان کی اجتماعی ضرورت ہے۔ آپ نے ہدایت کو ضرورت قرار دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر فیصلے کیے جائیں تو انسانیت کی بجائے حیوانیت فروغ پاتی ہے لہٰذا بنی نوع انسان کی ترویج اور ارتقاء کے لیے آسمانی ہدایت ناگزیر ہے۔ بچے کی جسمانی تربیت تو اس کی والدہ روزِ ازل سے کر رہی ہے لیکن اخلاقی تربیت انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہی ہوئی تھی اور انبیاء کی تعلیمات کے مطابق ہو رہی ہے۔ انسانی عقل بھی تمام انبیاء کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد و ہدایت کے لیے ختم نبوت پر ایمان ضروری ہے۔ قتل انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مغضوبِ علیہم قرار دیے جانے پر بھی برمحل گفتگو ہے۔

جامعیت کے لحاظ سے یہ مضمون اتنا شاندار ہے کہ اس پر احقر کا تبصرہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ ختم نبوت (ﷺ) کے تینوں اہم پہلو یعنی ختم نبوت کا فقہی و قانونی پہلو، آسمانی ہدایت کی

تکمیل اور رحمت عالم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات، ایک قاری کا ایمان تازہ کرتے ہیں اور ختم نبوت پر اس کا ایمان مزید پختہ ہوتا ہے۔ مضمون میں بنی اسرائیل کی ریشہ دوانیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی جانب سے قتل انبیاء دراصل وحی و نبوت کا راستہ روکنے کی مذموم حرکات پر مبنی تھا۔ رحمت عالم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری اور یہود مدینہ کے منفی کردار سے قارئین کو معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

میری طرف سے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے مسلمانوں میں سے کذاب مدعیانِ نبوت کو یہود و نصاریٰ کی سازش قرار دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قتل انبیاء کی مرتکب بنی اسرائیل قوم آج بھی اُمت مسلمہ میں جھوٹے اور کذاب مدعیانِ نبوت کی آبیاری کرتی ہے۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی اور قومی میڈیا کا کردار بھی انتہائی منفی ہے۔ یہود و نصاریٰ کا ان شاءاللہ وہی حشر ہونے والا ہے جو مدینہ کے یہودیوں کا ہوا تھا۔

یہ مضمون جدید تعلیم یافتہ حضرات بلکہ علماء کے لیے بھی معلومات کا ذخیرہ ہے۔

تعارف سہ ماہی ''تعلیمی زاویے''

پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسلام آباد کا یہ سہ ماہی علمی اور تحقیقی جریدہ ہے جس میں خاص طور پر نظامِ تعلیم اور تعلیمی شعبہ سے متعلق انتہائی اہم معلومات اور تجاویز شائع کی جاتی ہیں۔ اس جریدہ میں کسی علمی شخصیات کا انٹرویو بھی شائع ہوتا ہے جن کے علمی تجربات، مشاہدات اور خیالات سے سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اکرام رہنما اصولوں اور مختلف النوع تدریسی، تحقیقی مقالوں سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ اکرام، پروفیسرز صاحبان تعمیر اخلاق، نفسیاتِ طلبہ، فرائض معلم، فرض شناسی اور علم و فہم کے ذریعے طلباء اور طالبات میں قومی تشخص پیدا کرنے کے لئے رہنمائی کی جاتی ہے۔ یہ جریدہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد صاحب زیرادارت درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے جس کا ہدیہ فی شمارہ -/Rs.75 ہے جبکہ سالانہ زرتعاون -/Rs.300 ہے۔ دفتر تعلیمی زاویے، 12/8، آصف بلاک، علامہ اقبال ٹاون، لاہور۔

فون: 042-37814059, 3781290-0300-4154346

علامہ اقبال کا ہدیۂ عقیدت

صدیق رضی اللہ عنہ

اک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے، فرطِ طرب سے عمر اُٹھے — اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور — بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِؐ عالم نے اے عمرؓ! — اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار!
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟ — مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گذار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے وہ رفیقِ نبوتؐ بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت — ہر چیز، جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار و رخت و جنس — اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعثِ تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس!

سیّدنا حضرت **محمد** ﷺ

پر درود وسلام بھیجنا ایک مسلمان کے لئے سعادت دارین ہے

لیکن

- صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟
- سلام بھیجنے سے مراد کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے لئے آپ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام کس کس موقع پر پڑھنا چاہئے؟
- توہین رسالت کے واقعات کے پس منظر میں صلوٰۃ وسلام کی کیا اہمیت ہے؟

یہ اور دیگر ایسے سوالات کے جوابات کے لئے

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ ان شاءاللہ

عنقریب ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان

الصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولِ اللّٰہ

ہوگا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے قلمی تعاون فرمائیں نیز موضوع سے متعلق تراشے حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں

(ادارہ)

ان شاءاللہ

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

خصوصی قرآن فہمی کورس

13 مئی تا 31 مئی 2013ء

جون اور جولائی 2013ء میں بھی کورس ہوں گے

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔ ☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی ☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔ ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلباء کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔

مئی، جون، جولائی 2011ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں۔

تفصیلات کے لیے رابطہ کریں

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر 047-7630861

E-Mail hikmatbaalgha@yahoo.com